بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنۡ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُفَقِّہۡہُ فِی الدِّیۡنِ. (بخاری)

فقہ اور فقہائے اسلام

ترجمہ

مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ

درس نظامی کی معروف و مشہور فقہی کتاب ''شرح وقایہ'' کے بے نظیر حاشیہ ''عمدۃ الرعایۃ'' کے مقدمہ (مصنف: ابو الحسنات مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) کا عمدہ و عام فہم اردو ترجمہ۔

نظر ثانی

مفتی محمد جمال الدین قاسمی

صدر مفتی دار العلوم حیدر آباد

ترجمہ و تحقیق و تعلیق

مفتی محمد عبد الرحمن قاسمی

استاذ فقہ و ادب دار العلوم حیدر آباد

نام کتاب	فقہ اور فقہائے اسلام (ترجمہ: مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ)
نام مؤلف	ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ
ترجمہ و تحقیق	مفتی محمد عبدالرحمن قاسمی استاذ فقہ و ادب دارالعلوم حیدرآباد
	فون نمبر: 6305248704
نظر ثانی	مفتی محمد جمال الدین قاسمی صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد
صفحات	۲۵۸
کمپوزنگ	مولوی محمد عبدالسمیع (شریک دورۂ حدیث دارالعلوم حیدرآباد)

ملنے کے پتے

(۱)

(۲)

(۳)

فہرست مضامین

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

کلمات بابرکات

امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم

نائب شیخ الحدیث وصدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد

ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بہت مشہور و معروف عالم دین تھے، آپ نے بیک وقت محدث، فقیہ، متکلم، معقولی، صاحب افتاء کی حیثیت سے اپنا لوہا اہل علم حلقوں میں منوایا تھا، آپ کی عمر کا کارواں گو بہت قلیل اور مختصر تھا؛ لیکن اس میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ رہتی دنیا تک انہیں یاد رکھا جائے گا، آپ کے اشہبِ قلم سے نکلی ہوئی تحقیقی تصانیف ورسائل آج اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنی ہوئی ہیں، اور علماء کو علمی وفکری غذا بہم پہونچا رہی ہیں۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کا اردو جامہ پہنانے کا بیڑہ عزیز گرامی قدر مفتی محمد عبدالرحمن قاسمی استاذ فقہ وادب دارالعلوم حیدرآباد نے اٹھایا ہے، بحمد اللہ اس سے پہلے **الانصاف فی حکم الاعتکاف** بنام اعتکاف کا شرعی حکم۔۔۔ ایک منصفانہ تجزیہ اور **ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان** بنام رمضان کی بدعات ورسومات کا سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا تھا، جسے اہل علم نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک تیسری کڑی **عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ** کے مقدمہ کا ترجمہ بنام فقہ اور فقہائے اسلام کیا ہے، یہ ترجمہ بھی ایسا عمدہ ہے کہ اس کو پڑھنے کے دوران ترجمہ پن کا احساس نہیں ہوتا، عزیز موصوف نے الفاظ سے قریب رہ

کر مفہوم کی ادائیگی میں بہترین سلیقہ مندی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالے کو بھی اصل کی طرح قبول فرمائے، انہیں مزید دینی خدمات کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کے قلم کو ہمیشہ تازہ اور سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین

محمد جمال الدین قاسمی
خادم دارالعلوم حیدرآباد

۲۴/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

امیر شریعت تلنگانہ و آندھرا وصدر دینی مدارس بورڈ

مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ معروف علمی شخصیت ہیں، آپ نے عربی زبان کے اندر کئی کتابیں مختلف علوم وفنون کے سلسلے میں تصنیف فرمائی ہیں، جن سے برصغیر؛ بلکہ عالم عرب کے علماء بھی مستفید ہو رہے ہیں، انہی میں سے آپ کی ایک کتاب **عمدة الرعاية على شرح الوقاية** کا مقدمہ ہے، اس کا سلیس اردو ترجمہ دار العلوم حیدرآباد کے استاذ مولوی عبد الرحمن سلمہ نے کیا ہے، اللہ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مزید علمی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(حضرت مولانا شاہ) جمال الرحمن (صاحب دامت برکاتہم)

۲۳ / رجب المرجب ۱۴۴۳ھ بروز منگل

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

جنرل سکریٹری فقہ اکیڈمی انڈیا و ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

امت کو فقہاء کا شکر گزار اور احسان مند ہونا چاہیے کہ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ میں جو تعلیمات ہزاروں صفحات میں بکھری ہوئی تھیں اور جن کو سمجھنے کے لیے عمریں درکار تھیں، نیز عوام کے لیے جن کو تحقیق کرنا دشوار تھا، فقہاء نے ان تعلیمات کو کشید کر کے اس کا عطر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا اور شریعت اسلامی کو ایک مکمل نظام حیات کی شکل میں مرتب فرما دیا، جس میں عبادت سے لے کر معاملات، معاشی نظام، اصول سیاست وطریق حکمرانی اور زندگی کے تمام گوشوں کو ایک نظم وارتباط کے ساتھ مرتب کر دیا گیا اور امت کے لیے شریعت اسلامی پر عمل کرنے کی ایک شاہ راہ بنا دی گئی، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ فقہ اسلامی کتاب وسنت کی عملی تشکیل اور صورت گری سے عبارت ہے۔

یوں تو تمام ہی اسلامی علوم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے؛ لیکن غور کریں تو فقہ اسلامی ایک درجہ میں ان تمام علوم کو جامع ہے، یہ تفسیر قرآن بھی ہے؛ کیوں کہ آیات احکام کی تشریح وتوضیح کے بغیر فقہ کی کوئی کتاب مکمل نہیں ہوسکتی، یہ حدیث رسول بھی ہے؛ کیوں کہ احکام فقہیہ کا سب سے بڑا مرجع کتب حدیث ہیں، یہ علم کلام بھی ہے؛ کیوں کہ ردت اور الفاظ کفر کی تمام بحثیں بنیادی طور پر عقیدہ وایمان سے مربوط ہیں، یہ تجوید وقراءت بھی ہے کہ زلۃ القاری اور بعض دوسرے مباحث اس فن سے بے تعلق نہیں ہوسکتے، یہ تصوف واحسان بھی ہے؛ کیوں کہ اذکار واوراد اور تزکیہ اخلاق سے متعلق بہت سے مسائل کتب

فقہ کا حصہ ہیں، اصول فقہ تو گویا فقہ کی سواری ہے کہ جس کی مدد سے فقہاء شریعت کے مقاصد تک پہونچتے ہیں اور اصول تفسیر وحدیث سے بھی کوئی شخص بے نیاز نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اخذ واستنباط اور تطبیق وترجیح میں قدم قدم پر ان اصولوں سے مدد لینی پڑتی ہے، غرض یوں تو فقہ بظاہر ایک علم ہے؛ لیکن اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے یہ تمام ہی علوم اسلامی کا نچوڑ اور پوری شریعت اسلامی کا خلاصہ ہے؛ اسی لیے علماء عجم اور خاص کر علماء ہند کا علوم اسلامی میں فقہ سے خاص اشتغال رہا ہے۔

خود ہندوستان میں فقہ اسلامی کی ایک روشن اور تابناک تاریخ رہی ہے، جو اپنی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے معاصر اسلامی دنیا کی خدمات پر اگر فوقیت نہ رکھتی ہو تو اس کی ہم پلہ ضرور ہے، جو یقینا ہندوستان کے لیے سرمایہ افتخار ہے، اس سلسلہ میں بعض خاندانوں کا کام اتنا بڑا ہے جو کئی اداروں کے کام پر فائق ہے، ایسے ہی خاندانوں میں ایک فرنگی محل ہے، فرنگی محل کا خانوادہ جلیل القدر علماء کی کثرت اور علمی خدمات کے تسلسل کے اعتبار سے ہندوستان میں ایک انفرادی شان کا حامل ہے اور اس خاندان کے علماء کی تصانیف کا اگر جامع تعارف مرتب کیا جائے تو یقینا کم سے کم ایک ضخیم جلد کی ضرورت ہوگی، ان علماء میں بحر العلوم ملا عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۸۱۰ء) ملا محمد مبین رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۸۱۰ء) ملا حسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۸۶۸ء) مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۸۸۶ء) اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۹۲۶ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، بحر العلوم نے اصول فقہ میں "ارکان اربعہ، حاشیہ زاہدہ" تالیف فرمائی، منار کی فارسی شرح "تنویر الابصار" کے نام سے تالیف کی، "شرح صدرا شیرازی" پر حاشیہ لکھا، "مثنوی مولانا روم" کی شرح فرمائی، "فقہ اکبر" کی شرح کی اور متعدد تصنیفات ان کی یادگار ہیں؛ لیکن جس کتاب نے ان کو شہرت ودوام عطا فرمائی، وہ ہے "مسلم الثبوت" کی مبسوط شرح "فواتح الرحموت" جس کا شمار اب اصول فقہ حنفی کے اہم مراجع میں ہوتا ہے اور جسے عالم عرب میں بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "سلم" اور "مسلم الثبوت" کی شرح لکھی اور "میر زاہد ملا جلال" پر حاشیہ لکھا، فقہ میں ان کا ایک اہم رسالہ "کنز الحسنات فی ایتاء الزکوۃ" ہے، جس میں مقدار نصاب ہر بڑی اچھی گفتگو کی گئی ہے، یہ اپنے زمانہ کے امام المعقولات سمجھے جاتے تھے، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ - جو مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے والد ہیں- بھی بڑے علماء میں تھے، مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم" میں ان کے حالات لکھتے ہوئے ان کی ستائیس تالیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں "نور الانوار" کے حاشیہ "قمر الاقمار" کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے، اس خاندان کی اخیر دور کی شخصیات میں ایک اہم نام مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۹۲۶ء) کا ہے، "تذکرہ علماء فرنگی محل" کے مصنف نے ان کی ایک سو دس تصنیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں بہت سی تالیفات فقہ اور اصول فقہ سے متعلق ہیں، آپ نے بھی مسلم الثبوت" کی ایک شرح "ملہم الملوک" کے نام سے تالیف فرمائی ہے، آپ نے تصنیف وتالیف کے علاوہ قومی وملی جدوجہد میں بھی حصہ لیا ہے اور تحریک خلافت میں بھی شامل رہے ہیں۔

اس خاندان کے گل سر سبد اور شجر سدا بہار محدث جلیل اور فقیہ بے مثیل حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۹۲۶ء) ہیں، جو اسلامی اور عربی علوم میں نابغہ روزگار اور در آبدار کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کی تقریبا سو تالیفات ہیں اور ہر کتاب گویا اپنے موضوع پر حرف آخر ہے، اصول حدیث میں" الرفع والتکمیل "اور" الاجوبۃ الفاضلۃ" ایسی تالیفات ہیں کہ اصول حدیث کے پورے کتب خانہ میں شاید ہی ان کی مثال مل سکے، یہ اسلاف کے افکار وشخصیات کا عطر ہے، اور اخلاف کے لیے خضر طریق ہے، اسی طرح فقہ میں "شرح وقایہ" کی شرح" السعایہ" اگر چہ نامکمل ہے؛ لیکن حدیث وفقہ کے اعتبار سے ایک بے نظیر کتاب ہے، اگر یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو فقہی متون کی شرح میں یقینا لاجواب تالیف ہوتی، اسی طرح "شرح وقایہ" کا حاشیہ "عمدۃ الرعایۃ" اختصار کے ساتھ جامعیت اور حل مشکلات کے لیے نمونہ کا درجہ رکھتی ہے۔

فرنگی محل کی فقہی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاص پہلو جس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے -بعض اعتقادی اور عملی مسائل جن میں شاہ اسماعیل شہید، حلقہ دیوبند اور حلقہ بدایوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا اور اب بھی پایا جاتا ہے ان میں فرنگی محل کے علماء اور ارباب افتاء کے درمیان بھی اختلاف رائے رہا ہے اور دو مختلف نقاط نظر پائے نظر پائے گئے ہیں؛ لیکن اس اختلاف نے حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا اور اس اختلاف کی وجہ سے فریق مخالف کی تکفیر و تفسیق نہیں کی گئی؛ بلکہ اسے راجح و مرجوح کا اختلاف سمجھا گیا، یہ بھی ایک خوشگوار حقیقت ہے کہ علماء فرنگی محل ہمیشہ تصوف کے قائل اور مشائخ صوفیہ سے مربوط رہے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود حدیث نبوی سے بھی ان کا رشتہ استوار رہا؛ اسی لیے ہمیں یہاں ہر دور میں ایسے علماء نظر آتے ہیں جو ایک طرف تصوف کے ان اشغال کی تائید وتقویت میں قلم اٹھاتے ہیں، جن کا فی الجملہ احادیث وآثار سے ثبوت ہے اور ان اشغال کا رد بھی کرتے ہیں، جن کے لیے قرون اولی میں کوئی نظیر نہیں اور جن کی سرحدیں بدعت؛ بلکہ بعض اوقات شرک سے جاملتی ہیں۔

یہی حال فقہی مسائل واحکام کا ہے، خاص کر مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مسائل فقہیہ میں جو اعتدال ملتا ہے اور شارع کی نصوص اور فقہاء کے اجتہادات میں -تقلید پر قائم رہنے کے باوجود- ہم آہنگی پیدا کرنے کی جو کوشش نظر آتی ہے، وہ علماء کے لیے ایک مثال ہے، اگرچہ ہندوستان میں تمام ہی مکاتب فکر اپنی نسبت مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتے ہیں؛ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اس دعوی میں کس حد تک صادق القول ہیں اور اگر شاہ ولی اللہ اس دور میں پیدا ہوتے تو ان کے افکار وخیالات پر ان حضرات کا کیا ردعمل ہوتا؛ لیکن مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ صاحب واقعی فکر ولی اللہی کے امین؛ بلکہ اس کے نقیب ترجمان تھے۔

انہوں نے متعدد مواقع پر اپنے حنفی ہونے کا ذکر کیا ہے اور وہ عموما دوسرے مذاہب کے احترام کے ساتھ حنفیہ کے نقطہ نظر کی بھرپور وکالت بھی کرتے ہیں؛ لیکن اس

کے ساتھ ساتھ متاخرین احناف کی بعض آراء پر نقد بھی کرتے ہیں؛ نیز فقہاء کے درمیان پائے جانے والے اختلاف رائے کو پورے انصاف اور عدل کے ساتھ پیش کرتے ہیں، مثلاً خواتین کی جماعت کو بہت سے فقہاء احناف نے مکروہ قرار دیا ہے؛ لیکن مولانا نے اپنے رسالہ "تحفۃ النبلاء" میں تفصیل سے اس موضوع کی احادیث وآثار پیش کی ہیں، اور فقہاء نے کراہت کے جو اسباب لکھے ہیں، ان کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

... وبعد التسليم لا دلالة على كراهة التحريم أصلا، بل لو دل فإنما يدل على فضيلة صلاة الانفراد. (تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء:۹۱۹)

...اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی عورتوں کی جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے؛ بلکہ یہ دلالت کرتی ہے تو صرف اس بات پر کہ عورتوں کا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے۔

مولانا نے اپنی تالیفات میں ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ اصحاب مذہب کے اقوال اصل ہیں اور مشائخ مذہب کے اقوال کو وہ اہمیت حاصل نہیں، انہوں نے حنفیہ کی مدافعت میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً فرماتے ہیں:

فإنهم طعنوا في كثير من المسائل المدرجة في فتاوى الحنفية أنها مخالفة للأحاديث الصحيحة أو أنها ليست متأصلة على أصل شرعي ونحو ذلك، جعلوا ذلك ذريعة إلى الطعن على الأئمة الثلاثة ظناً منهم أنها مسائلهم ومذاهبهم وليس كذلك، بل هي تفريعات المشايخ، استنبطوها من الأصول المنقولة عن الأئمة، فوقعت مخالفة للأحاديث الصحيحة فلا طعن بها على الأئمة الثلاثة، ولا على

المشایخ أیضا، فإنهم لم یقرروها مع علمهم بکونها مخالفة للأحادیث. (النافع الکبیر، ص:۲۱)

ان لوگوں نے بہت سے ایسے مسائل کے متعلق جو حنفیہ کے فتاوی میں بعد داخل کیے گئے ہیں، اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہیں، یا یہ کسی شرعی اصول پر قائم نہیں ہیں وغیرہ- ان لوگوں نے اس کو لے کر امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم پر یہ سمجھتے ہوئے تنقید کی ہے کہ یہ ان کے مسائل اور ان کی آراء ہیں؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ یہ مشائخ کے تفریعات ہیں، انہوں نے ائمہ سے منقول اصول کی بنیاد پر ان کو مستنبط کیا ہے؛ چنانچہ وہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگئیں ہیں، ان کو لے کر ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم پر طعن کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مشائخ پر بھی لعن طعن کرنا درست نہیں ہے، ان حضرات نے ان کو حدیث کے خلاف جاننے کے باوجود ان آراء کا اظہار نہیں کیا ہے۔

اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں احناف کے مختلف اقوال ہوں تو جو قول حدیث سے قریب تر ہوتا ہے، مولانا اسے ترجیح دیتے ہیں، جیسے وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا مسئلہ ہے کہ اس میں ایک قول اس کے واجب ہونے کا ہے، جس کی طرف علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے، مولانا نے ظاہر حدیث سے موافقت کی وجہ سے اس کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے: وأصحها وأحسنها (احکام القنطرۃ فی احکام البسملۃ: ۳۳) اسی طرح وضو میں گردن کے مسح کو بعض فقہاء نے سنت قرار دیا اور بعض نے بدعت ومکروہ کہا ہے، مولانا نے اپنے رسالہ ”تحفۃ الطلبۃ فی تحقیق مسح الرقبۃ“ میں اس بات کو ترجیح دیا ہے کہ گردن کا مسح نہ سنت ہے اور نہ بدعت؛ بلکہ مستحب ہے یا ادب کے درجہ میں ہے، اختلافی مسائل میں غالباً مولانا کا سب سے تفصیلی رسالہ ”قراءت فاتحہ خلف الامام“ کے موضوع پر ”امام

الکلام مع غیث الغمام" ہے، جس میں حدیث اور رجال کی بڑی نفیس بحثیں آ گئی ہیں، اس رسالہ میں مولانا نے حنفیہ کے دلائل کو بڑی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے، لوگوں کی بے اعتدالی کا رونا رویا ہے، اور علماء مقلدین سے گلہ کیا ہے کہ وہ ہر جگہ اس قاعدہ پر قائم رہتے ہیں کہ ہمارا مذہب صحیح ہے، گو اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا مذہب خطا پر مبنی ہے، گو اس میں صواب کا احتمال بھی پایا جاتا ہے، اور یہ بات اس وقت بھی کہی جاتی ہے جب اپنے مذہب کے خلاف واضح نصوص موجود ہوں۔

مولانا اس رسالہ کے اخیر میں جو رائے قائم کی ہے، وہ یہ ہے کہ مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہے؛ البتہ سری نمازوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھ لینا مستحب یا مسنون ہے، اگرچہ یہ مذہب کا قول ضعیف ہے؛ لیکن درایت کے اعتبار سے قوی ہے اور جو قول درایت کے مطابق ہو وہ قابل ترجیح ہے: **ولا يعدل عن الدراية إذا وافقها رواية.** (ص:۲۲۶) پھر آگے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے ان کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ جہری نماز میں بھی سکتہ کے وقت سورہ فاتحہ کو پڑھنے کی گنجائش ہے، (ص: ۲۶۸) اسی رسالہ کے اخیر میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قراءت پر گفتگو کی گئی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا چوں کہ بعض صحابہ سے ثابت ہے؛ اس لیے اس کو مکروہ کہنا درست نہیں، البتہ ضروری نہیں ہے، (ص: ۲۷۳) یہ ضروری نہیں ہے کہ ان مسائل میں مولانا کے نقطہ نظر سے اتفاق کر لیا جائے؛ لیکن اس سے مسائل فقہیہ میں آپ کا اعتدال معلوم ہوتا ہے، آپ نے عصام ابن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ وہ حنفی تھے؛ لیکن نماز میں رکوع سے پہلے رفع یدین کے قائل بھی تھے، پھر لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حنفی بعض مسائل میں نصوص کی بنیاد پر دوسرے فقہاء کی رائے کو لے لے تو اس کی وجہ سے وہ حنفیت کے دائرہ باہر نہیں ہو جاتا۔

غرض کہ آپ کی ذات فقہاء احناف کی نقطہ نظر پر وسیع نگاہ اور گہرے مطالعہ کے باوجود نصوص سے اعتناء، دوسرے مسالک کا احترام اور تقلید میں اعتدال کی بہترین مثال

ہے، انہوں نے مختلف فقہی کتابوں پر جو مقدمات لکھے ہیں، وہ ان کی فکری منہج کا عکس جمیل ہے، ان ہی مقدمات میں ایک ”عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایہ“ کا مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے بہت تفصیل کے ساتھ کتاب کا تعارف کرانے اور حسب ضرورت اس کا تنقیدی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ احناف کے طرز اجتہاد، طریقہ ترجیح اور فتاوی کی اصطلاحات پر شافی ووافی کلام کیا ہے، فقہ وافتاء کے نادر اصول کو واضح کیا ہے، ضمنی طور پر بہت سی کتابوں کا تعارف، شخصیات کا تذکرہ، شبہات کا رد، جغرافیائی وخاندانی نسبتوں کی القاب کی وضاحت آگئی ہے اور کہنا چاہیے کہ معلومات کا ایک انسائیکلو پیڈیا یا دریا بہ کوزہ کی صورت اس میں جمع ہے، علامہ لکھنوی کا یہ مقدمہ اس لائق ہے کہ اسے ہر عالم خصوصاً اساتذہ فقہ اور اصحاب افتاء کو پڑھنا چاہیے اور اس کو اپنے دامن دل سے باندھ لینا چاہیے، جو ان کے لیے فقہ کے میدان میں خضر طریق ثابت ہوگا۔

یہ مقدمہ ہندوستان میں طبع ہونے والے ”شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایۃ“ کی بڑی تقطیع کے ۴۳/ صفحات پر فارسی رسم الخط میں چھپا ہوا ہے، کتابت وطباعت، دیدہ زیبی دلکشی سے بہت دور ہے اور عبارتیں بھی قدیم انداز پر پیراگرافنگ سے خالی ہیں؛ اس لیے چیدہ چیدہ اصحاب ذوق ہی کو اس مضمون کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالی بے حد جزائے خیر دے عزیزی الاعز مولانا عبدالرحمن قاسمی سلمہ اللہ تعالی استاذ دارالعلوم حیدرآباد کو جنہوں نے اپنے والد ماجد، باکمال استاذ، اور ممتاز فقیہ محبی فی اللہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین قاسمی زید مجدہ کی تحریک پر اس عظیم الشان رسالہ کو اردو کا جامہ پہنایا ہے، مترجم کے اچھے ترجمہ کے لیے اول یہ بات ضروری ہے کہ جس کتاب کا ترجمہ کررہا ہو، اس کے فن سے مناسبت اور اس کی اصطلاحات سے واقف ہو، دوسرے: جس زبان میں ترجمہ کررہا ہو، اس پر عبور بھی رکھتا ہو، تیسرے: زبان عام فہم اور سلیس ہو، ماشاء اللہ ترجمہ میں یہ تینوں خصوصیات جمع ہیں، عزیز موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، انہوں نے وہاں سے افتاء کی تربیت پائی ہے اور عربی زبان وادب

میں تخصص کیا ہے، اور اس وقت دکن کی معروف و مرکزی درسگاہ دار العلوم حیدرآباد کے استاذ ہیں، نیز یہ رسالہ خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ رواں اور عام فہم زبان میں ترجمہ کا سلیقہ رکھتے ہیں۔

ماشاء اللہ یہ بڑا اچھا کام ہو گیا ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ فقہ وافتاء کے طلبہ اور شریعت اسلامی کے مطالعہ کا جذبہ رکھنے والے اصحاب دانش اور قانون داں پوری گہرائی کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں، انشاء اللہ اس سے بڑا فائدہ ہوگا، اور خاص کر فقہ حنفی کا مزاج و مذاق سمجھنے میں مدد ملے گی، اللہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم: المعہد الاسلامی حیدرآباد)

عرض مترجم

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی عمر کا کارواں گو بہت مختصر اور قلیل تھا؛ لیکن اس میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ رہتی دنیا تک انہیں یاد رکھا جائے گا؛ آپ کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی کتابوں کی تعداد سو سے متجاوز ہیں، جو عمدہ تحقیقات وتدقیقات سے لبریز ہیں، حضرت کی جملہ تصانیف کی ایک بڑی خصوصیت جو ان کو دیگر کتابوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ متعلقہ موضوع پر مالہ وماعلیہ کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں، اس کے تمام اجزاء پر سیر حاصل مدلل ومحقق اور مرتب گفتگو کرتے ہیں، اور اشکالات وجوابات کو وا کرتے چلے جاتے ہیں۔

عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ ایک نظر میں

عمدۃ الرعایہ یہ آپ کی کوئی مستقل کتاب نہیں ہے؛ بلکہ شرح وقایہ کی پہلی دو جلدوں کا بے نظیر حاشیہ ہے، جسے آپ نے مفید سے مفید تر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، مسائل کی تشریح، ابواب کے مابین ربط، اصطلاحی الفاظ کی لغوی تحقیق، نقل مسائل کے ساتھ دلائل کا بھی اہتمام، فقہاء کے مختلف اقوال کے مابین محاکمہ، مفتی بہ اقوال ذکر کرنے وغیرہ اہم خصوصیات وامتیازات پر مشتمل حاشیہ ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں بالا کتاب پر حاشیہ کی تالیف کا سبب بیان کیا گیا ہے؛ اس کے بعد آپ نے مقدمہ کو آٹھ ابواب پر تقسیم کیا ہے، جو طلبہ فقہ بالخصوص مفتیان کرام کے لیے مفید اور کارآمد ہیں، پہلے باب میں علم فقہ کا شیوع اور چار مشہور فقہی مکاتب بالخصوص فقہ حنفی کی عالم گیر مقبولیت پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرے باب میں علامہ ابن کمال پاشاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فقہائے احناف کے سات

مشہور طبقات کو بیان کیا گیا ہے، نیز مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مذکورہ بالا طبقات کی تقسیم پر نقد بھی کیا ہے کہ اس میں بعض فقہاء کا درجہ گھٹا دیا گیا ہے اور بعض فقہاء کا درجہ بڑھا دیا گیا ہے، تیسرے باب میں مسائل حنفیہ کے تین طبقات: ظاہر الروایہ، نادر الروایہ اور فتاوی کو بیان کیا گئے ہیں، چوتھے باب میں فقہ سے متعلق اہم فوائد بیان کیے گئے ہیں، پانچویں باب میں وہ قواعد وضوابط بیان کیے گئے ہیں جو فقہاء احناف کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کے مفید وکار آمد ہیں، چھٹے باب میں وقایہ اور شارح وقایہ کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، ساتویں باب میں وقایہ اور شارح کے حالات کا تذکرہ ہے اور آٹھویں باب میں ان نابغہ روزگار ائمہ وفقہاء کے حالات پر اجمالی روشی روشی کے جن اسماء وقایہ یا شرح وقایہ آئیں ہیں، البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور آپ پر مخالفین کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا تحقیقی اور مسکت جواب دیا ہے جس کا مطالعہ ہر فقہ کے طالب علم کو کرنا چاہیے۔

ترجمہ میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

۱) سلیس اردو ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲) حتی الامکان فقہی عبارتوں کا اصل کتاب سے مراجعت کر کے حوالہ دیا گیا ہے، حوالہ تلاش کرنے میں مکتبہ شاملہ سے مدد لی گئی ہے۔

۳) عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

میں اس موقع سے اپنے مشفق ومربی والد گرامی قدر کا بڑا ممنون واحسان مند ہوں... جن کے دامان عاطفت میں میرا تعلیمی سفر مکمل ہوا اور جن کی سرپرستی ہی میں بحمد اللہ تدریسی خدمات جاری وساری ہیں... کہ انہوں نے اس سلسلہ میں میری قدم بہ قدم رہنمائی کی اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازتے رہے نیز پورے کتاب چہ پر بالاستیعاب نظر ثانی فرمائی، اللہ ہمارے مشفق والدین کو صحت، عافیت اور تندرستی کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے اوپر تا دیر برقرار رکھے۔

اسی طرح عارف باللہ حضرت مولانا شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم العالیہ کا ممنون مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنی گراں قدر تحریرات وتقریظات کے ذریعہ کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمایا، اللہ ان اکابرین کا سایہ ہم پر تا دیر قائم دائم فرمائے، آمین۔

نیز اپنے تینوں بھائیوں مفتی محمد عبداللہ صاحب قاسمی استاد فقہ وادب دارالعلوم حیدرآباد، مفتی عبدالعلیم قاسمی استاذ ادارہ کہف الایمان حیدرآباد اور محمد عبدالسمیع شریک عربی ہفتم کا بھی ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے اس کتابچے کے منصہ شہود پر آنے میں میرا تعاون کیا، اللہ تعالی ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور اخلاص کے ساتھ دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ سے دست بدعا ہوں وہ میری اس معمولی کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام وتام فرمائے آمین۔

محمد عبدالرحمن عفی عنہ

استاذ دارالعلوم حیدرآباد

۱۰/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات گرامی کے لیے ہیں جس نے اس امت میں شریعت مطہرہ کے اسرار و رموز سمجھنے کے لیے باکمال، ماہر اور ذی علم افراد کو پیدا کیا، ان کو دین اسلام کا محافظ بنایا، اور ان کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی عظیم القاب سے نوازا، چنان چہ آپ نے فرمایا: علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۶۴۱) دین متین کے سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالی نے قیامت کے دن بلند مراتب اور بے شمار نعمتوں سے نوازنے کا وعدہ فرمایا۔

میں اللہ تعالی کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور اس پر شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اہل علم حضرات کو دنیا و آخرت میں فوقیت و برتری عطا فرمائی، بے شمار فضائل کا حامل بنایا، اور اپنی مقدس کتاب میں اس قول کے ذریعہ ان کو خوش کر دیا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ. (فاطر، ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے مقرب بندے اور رسول ہیں، آپ شریعت مطہرہ کے تاج اور ملت بیضاء کی دلیل ہیں، اللہ تعالی نے آپ کو بے شمار فضائل و خصوصیات سے نوازا ہے، آپ نے ہمیں حلال اور حرام چیزیں بتائیں، مشتبہ احکام سے آگاہ کیا اور رشد و ہدایت کے قوانین بتائے۔

یا اللہ! اپنے اس محبوب بندے کو اپنی برکت و رحمت سے ڈھانپ لیجیے، نیز آپ کے ان آل و صحابہ کرام کو جنہوں نے آپ کی نصرت و حمایت کے لیے گھر بار چھوڑا، اور آپ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی، یہ تمام ہدایت کے روشن ستارے اور معیار حق ہیں، دین اسلام کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے، اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دشمنان اسلام سے جہاد کیا۔

یا اللہ! ان ائمہ مجتہدین کو اپنی برکت و رحمت سے ڈھانپ لیجیے جنہوں نے

شریعت مطہرہ کو مدون کیا، قوانین بنائے، کتاب وسنت کے عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے وقوع پذیر مسائل وحوادث کے احکام مستنبط کیے، یا اللہ میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو بہترین بدلہ عطا فرما، بالخصوص مجتہدین کے پیشوا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ کو، نیز ان مفسرین، محدثین، متکلمین، فقہاء اور مقلدین ومتبعین کو بھی اپنی برکت ورحمت سے ڈھانپ لیجیے جنھوں نے فقہ حنفی، یا فقہ مالکی، یا فقہ شافعی، یا فقہ حنبلی کو اختیار کیا۔

اپنے پروردگار سے معافی کا طلب گار ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی کہتا ہے: اللہ اس حقیر بندہ کی ظاہری وباطنی گناہوں کو معاف فرمائے، یہ ناچیز عمدہ اخلاق واوصاف اور بے شمار خصوصیات وکمالات کے حامل، بڑے فیاض وسخی، شریف وکریم، علم وفن کے آفتاب وماہتاب، صاحب تصانیف نافعہ، شمس الفقہاء مولانا الحاج عبدالحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا ہے، اللہ میرے والد محترم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

علم فقہ کی اہمیت

علماء پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ انسان پر ایمان کے بعد اللہ کا سب سے بڑا انعام اور فضل یہ ہے کہ اس کو تفقہ فی الدین حاصل ہو جائے، چنانچہ اسی کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے:

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ.

(بخاری، حدیث نمبر: ۷۱)

اللہ تعالیٰ جس انسان کے ساتھ خیر وبھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ) کی دولت سے مالا مال فرماتے ہیں۔

یہ ایسی عظیم ترین صفت ہے کہ انسان اس کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں منفرد اور ممتاز ہوتا ہے اور اس کو فضل وکمال کی پہلی صف میں رکھا جاتا ہے، پس خوشخبری ہے اس

شخص کے لیے جس نے اس فن (فقہ) کو پوری محنت اور جد و جہد سے سیکھا پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اس فن کی خدمت کی۔

کتاب (السعایہ) کی وجہ تالیف

علم فقہ میں بے شمار کتابیں تصنیف کی گئیں، جن میں بعض کتابیں مختصر ہیں، بعض متوسط ہیں اور بعض مطول ہیں، ان عظیم متوسط کتابوں میں جن میں اصول وفروع بیان کیے گئے ہیں، جن کو قبول عام حاصل ہوا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، برہان الشریعہ کی الوقایہ فی مسائل الہدایہ ہے، اور اس کی شرح ان کے شاگرد رشید صدر الشریعہ نے کی ہے، اللہ ان کے قبر کو نور سے منور فرمائے۔

شرح وقایہ پر علمی کام

فقہاء کی ایک جماعت نے اس متن وشرح کی خدمت کی ہے، کسی نے ان کی عربی میں شرح لکھی تو کسی نے ان پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا، یہ دونوں چیزیں اہل علم کے درمیان معروف ومتداول ہیں؛ لیکن ایک چیز جو علماء پر مسلسل قرض چلا آرہا تھا وہ احکام کے دلائل کا ذکر اور فروعات کو اصول پر منطبق کرنا تھا، کسی نے اس بحث کو اتنا مختصر کر دیا کہ اس کو سمجھنا مشکل ہو گیا، اور کسی نے اتنی جلدیں لکھ ڈالیں کہ قاری پڑھتے پڑھتے اکتا جائے، چنانچہ آپ دیکھیں گے: بعض حضرات اپنی کتاب میں آسان مقامات کو حل کرتے ہیں اور مشکل مقامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، بعض حضرات اپنی کتاب میں کئی فرضی سوالات قائم کر کے ان کے مختلف جوابات ذکر کرتے ہیں اور بعض حضرات اپنی کتاب میں بہت سی فقہی جزئیات کو بیان کرتے ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں شرح وقایہ پر حاشیہ

جب میں (عبدالحی) اپنے والد ماجد (عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ) سے شرح وقایہ سبقاً سبقاً پڑھتا تھا تو ان کے حکم کی بنا پر اس پر حاشیہ بھی لکھتا رہتا، پھر جب میری صلاحیت میں اضافہ ہوا اور استعداد پختہ بن گئی تو میں اس حاشیہ کو اس کے اجمال واختصار کی وجہ سے طالب علم

کے لیے مفید اور کار آمد نہیں سمجھا اور اس حاشیہ سے پوری کتاب حل بھی نہیں ہوتی تھی۔

سعایہ کی تالیف

چنان چہ میں (عبدالحی) نے السعایہ فی کشف ما شرح الوقایہ کے نام سے ایک طویل شرح لکھنا شروع کیا، میں نے اس میں مسائل کو دلائل سے مدلل ومبرہن اور جزئیات کو اصول پر منطبق کرنے کا اہتمام کیا ہے، نیز صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے، پھر میں نے پورے انصاف اور دیانت وامانت کے ساتھ ان کے دلائل کا جواب دیا، راویوں کی جرح وتعدیل کی، اور نصوص کی روشنی میں مسئلہ کا صحیح اور راجح حکم بیان کیا۔

اللہ سے بصد اخلاص دعا گو ہوں کہ وہ اس عظیم الشان کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ میری عمر کو دراز فرمائے، اور اس شرح کو اپنے بندوں کے لیے نافع اور بحث ومباحثہ کے درمیان اس کو قول فیصل بنائے۔ (آمین)

اہل علم کی درخواست پر شرح وقایہ پر حاشیہ لگانا

پھر مجھ (عبدالحی) سے بعض مخلص دوست واحباب نے شرح وقایہ پر حاشیہ لکھنے کی درخواست کی جو سعایہ سے مختصر ہو، میں نے ان کی درخواست کو اس خیال سے قبول کیا کہ مذکورہ بالا کتاب کی تکمیل میں کافی وقت لگے گا؛ کیوں کہ میں نے اس میں بہت سے امور کو ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور اشاعت علم میں حتی الامکان تعجیل بہتر ہے؛ اس لیے اس پر حاشیہ لکھنا شروع کر دیا اور اس کا نام عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ رکھا۔

حاشیہ کی خصوصیات

میں (عبدالحی) نے اس شرح میں درج ذیل امور کا التزام کیا ہے:

۱) متن وشرح کی وضاحت میں کافی محنت کی گئی ہے، اور ان کے تسامحات کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۲) متن وشرح پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

۳) ائمہ احناف کے اختلاف کو واضح کیا گیا ہے؛ لیکن اختصار کے پیش نظر دیگر ائمہ کے اقوال کو ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

۴) کتاب اللہ، سنت رسول، آثار صحابہ اور اصول سے فقہی احکام کو مدلل کیا گیا ہے۔

۵) میں نے مقام کے مناسب بعض ان مسائل کو بھی ذکر کیا ہے جن سے عموماً سابقہ پڑتا ہے۔

۶) احناف کے مسائل پر کیے گئے اعتراضات کا بھی مدلل جواب دیا ہے۔

مصنف کی عاجزی وانکساری

اللہ تعالیٰ گواہ ہیں کہ یہ کتاب اور اسی طرح دیگر کتابیں تصنیف کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ میری شہرت ہو اور میں لوگوں کے سامنے اپنے فضل وکمال کو ظاہر کر کے فخر کروں، اور کیوں فخر کروں جب کہ مجھے پتہ نہیں کہ قبر میں کیا حشر ہوگا؟ اور اپنے فضل و کمال کو کیوں ظاہر کروں جب کہ میں ناپاک پانی سے پیدا ہوا، اس کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کو علمی فائدہ ہو اور کتاب حل ہونے میں مدد ملے، یا اللہ! اس کتاب کو میری مغفرت اور مصائب و پریشانی سے خلاصی کا ذریعہ بنا دیجیے، اکثر میں علامہ تاج سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر گنگنا تا رہتا ہوں:

سَهَرِی لِتَنْقِيحِ الْعُلُومِ أَلَذُّ لِي
مِنْ وَصْلِ غَانِيَةٍ وَطِيبِ عِنَاقِ

علوم اسلامیہ کی خدمت کے لئے راحت وآرام کو قربان کرنے میں جو لذت محسوس ہوتی ہے وہ کسی گانا گانے والی عورت سے ملاقات اور اس کے ساتھ خوشگوار مجلس سجانے سے کہیں زیادہ فرحت بخش ہے۔

وَ تَمَايُلِي طَرَبًا لِحَلِّ عَوِيصَةٍ
فِي الذِّهْنِ أَبْلَغُ مِنْ مُدَامَةِ سَاقِي

کسی پیچیدہ اور مشکل علمی بحث کو حل کرنے کے بعد مجھے شراب پینے والے شخص سے کہیں زیادہ خوشی وسرور حاصل ہوتی ہے۔

وَصَرِيرُ أَقْلَامِي عَلَى صَفَحَاتِهَا
أَشْهَى مِنَ الدَّوْكَاءِ وَالْعُشَّاقِ

مجھے پڑھنے لکھنے کی خواہش کسی بے چین عاشق سے زیادہ ہوتی ہے۔

وَأَلَذُّ مِنْ نَقْرِ الْفَتَاةِ لِدُفِّهَا
نَقْرِي لِأُلْقِيَ الرَّمْلَ عَنْ أَوْرَاقِي
(شامی ۱/۳۱)

نوخیز لڑکی کے دف بجانے کی کھنک سے زیادہ مجھے اپنی کتابوں سے غبار جھاڑنے کی آواز خوبصورت لگتی ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ علامہ محمد دمشقی محاسنی رحمۃ اللہ علیہ یہ اشعار بار بار پڑھا کرتے تھے:

لِكُلِّ بَنِي الدُّنْيَا مُرَادٌ وَمَقْصَدٌ
وَ إِنَّ مُرَادِي صِحَّةٌ وَفَرَاغُ

ہر طالب دنیا کی کوئی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے، میری خواہش بس یہ ہے کہ اللہ تعالی مجھے صحت وتندرستی اور دنیوی کام کے جھمیلوں سے آزادی عطا فرمائے۔

لِأَبْلُغَ فِي عِلْمِ الشَّرِيعَةِ مَبْلَغًا
يَكُونُ بِهِ لِي فِي الْجِنَانِ بَلَاغُ

تاکہ میں علوم دینیہ میں اس مقام کو پالوں جو میرے لئے جنت میں داخلہ کا ذریعہ ہوجائے۔

فَفِي مِثْلِ هَذَا فَلْيُنَافِسْ اولوا

النُّهٰی وَحَسْبِی مِنَ الدُّنْیَا الْغَرُوْرِ بَلَاغٌ

عقلمند لوگوں کو اسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی چاہیے، مجھے دنیا کی مال ومتاع بس اتنی چاہیے جس سے میری بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ہو جائے۔

فَمَا الْفَوْزُ إِلَّا فِیْ نَعِیْمٍ مُؤَبَّدٍ

بِهِ الْعَیْشُ رَغْدٌ وَالشَّرَابُ یُسَاغٌ

(شامی ۱/ ۳۲)

فلاح و بہبود تو انسان کو دائمی نعمت کے حصول کے بعد ہو گی، اسی کو کامیاب زندگی کہتے ہیں جہاں اہل جنت اپنی پسند کی چیزیں کھائیں گے پئیں گے۔

ہدیہ تشکر

میں اس موقع سے ایک ایسی باکمال شخصیت کا ممنون ومشکور ہوں جن کے مجھ پر بہت احسانات وانعامات ہیں، وہ مرجع خلائق، عدل وانصاف قائم کرنے والے اور ظلم وستم کی بیخ کنی کرنے والے ہیں، جن کے طفیل علم وہدایت کی شمع روشن ہوئی، وہ علماء اور فضلاء کے ماوی وملجا ہیں، ان کی جود وسخا کی وجہ سے علوم اسلامیہ شاہ راہ ترقی پر گامزن ہوئیں، ارباب علم کو حوصلہ ملا اور انہوں نے اپنی تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کے ذریعہ علوم دینیہ کی خدمات انجام دیں، اس سے میری مراد دولت آصفیہ کے وزیر نواب مختار ملک سالار جنگ بن تراب علی خان بہادر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کی توجہات وعنایات کو اہل علم کی طرف مبذول فرمائے۔ (آمین)

اور میں اس موقع سے امیر المومنین کا بھی شکر گزار ہوں، جو یقیناً خلافت کے حقدار ہیں، ریاست عظمی اور امارت کبری کے روشن چراغ ہیں، عوام وخواص سب ان کے حامی ہیں، ان کے دربار میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے، میں ان کے حق میں وہ شعر ذکر کروں

گا جس کو علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بادشاہ کے بارے میں کہا تھا:

علا فأصبح یدعوہ الوری ملکا
وریثما فتحوا عینا غدا ملکا

وہ اتنے بلند مقام پر فائز ہیں کہ خلق خدا ان کو بادشاہ کے نام سے
یاد کرتی ہے، جب بھی وہ کسی شہر کو فتح کرتے ہیں تو وہ اس کے
مالک بن جاتے ہیں۔

اس سے میری مراد سلطان بن سلطان بن سلطان، خاقان بن خاقان بن خاقان، سلطنت نظامیہ کے امیر، ریاست آصفیہ کے مالک نواب محبوب علی خان ظفر الممالک فتح جنگ نظام الملک آصف جہاں بہادر ہیں، اللہ ان کی حکومت کو دوام بخشے اور نظر بد سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

جب میں بتوفیق الٰہی شرح وقایہ پر حاشیہ لکھ چکا تو اس کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا، یہ دیکھ کر انہوں نے بہت مسرت وخوشی کا اظہار فرمایا اور ہدیے وتحائف سے نوازا۔

حاشیہ کے قارئین سے التماس

شرح وقایہ کا حاشیہ مطالعہ کرنے والوں سے التماس ہے کہ وہ مجھے اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں، اگر حاشیہ میں کوئی بات خلاف واقعہ پائیں تو اس سے درگزر فرمائیں؛ کیوں کہ ہر انسان سے سہو ونسیان صادر ہوتی ہے اور یہ اس کی سرشت میں داخل ہے، میں اللہ تعالیٰ سے بصد اخلاص دعا گو ہوں کہ وہ اپنے شافع ومشفع کے طفیل اس حاشیہ کو اور میری تمام تصنیفات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کو توشۂ آخرت بنائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندوں پر بہت مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔

اب میں اللہ کے نام سے مقصود کی طرف آتا ہوں، کتاب کے حاشیہ سے پہلے اہم فوائد پر مشتمل مقدمہ ہے، جو طلبہ کے لیے مفید ونافع اور اہل علم کے لیے قیمتی اثاثہ ہے۔

باب اول

علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت میں صحابہ اور مجتہدین کا کردار

امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ طبقات الحنفیہ جو **کتائب أعلام الأخبار من فقهاء مذهب النعمان المختار** کے نام سے موسوم ہے، میں لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے روشناس کرایا، ان کو اخلاق و کردار اور صفات حمیدہ سے آراستہ کیا، حدود نافذ کیا، فیصلے کیے اور دشمنان اسلام سے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرماگئے تو خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا، پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، کفار کے مکروفریب اوران کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا، دین اسلام کے اصول متعین کیے اور وقوع پذیر مسائل کے احکام کو واضح کیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں، طعن وتشنیع سے بالاتر ہیں، ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ناقابل برداشت ہے، وہ بعد والوں کے لیے مشعل راہ ہیں اور حق بات کو پرکھنے کے لئے معیار اور کسوٹی ہیں۔

اسی طرح تابعین عظام جنہوں نے اگرچہ بعض مسائل میں صحابہ کرام سے اختلاف کیا ہے؛ لیکن اکثر مسائل میں ان سے اتفاق کیا ہے، ان سے اسلامی تعلیمات حاصل کرنے کے ارادے سے کئی کئی میل کا سفر طے کیا اور اپنی راحت وآرام کو قربان کیا، پھر پوری دیانت وامانت کے ساتھ بعد والوں کو شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے واقف کرایا، یہ صحابہ کرام کے پروردہ اور خوشہ چیں تھے اوران کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

قیاس حجت ہے

یہ دنیا تغیر پذیر ہے، قیامت تک ان گنت حوادث ومسائل پیش آتے رہیں گے، جن کے احکام جاننا ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ نصوص (کتاب وسنت) میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے؛

لہٰذا ان مسائل میں اجتہاد ناگزیر ہے، چنانچہ ان تابعین نے اجتہاد کیا، نصوص کی روشنی میں اصول بنائے اور امت کو کسی ایک امام کی تقلید واتباع کرنے کا پابند کیا، اور ائمہ مجتہدین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روایت سے ایک لاینحل چیز (اجتہاد) کا انکشاف کیا، اس روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ نے ان سے چند سوالات کیے:

كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاء؟ قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي، وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ، وَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ.

(ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۵۹۲)

اے معاذ! مسائل کے احکام لوگوں کو کیسے بتاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا: کتاب اللہ سے مسئلہ کا حکم بتاؤں گا، آپ نے کہا: اگر اس میں مسئلہ کا حکم نہ ملے تو؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے اقوال وارشادات سے مسئلہ کا حکم بتاؤں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اگر اس میں بھی مسئلہ کا حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس مسئلہ میں اجتہاد کروں گا، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس سے اس کا رسول راضی ہے۔

پھر ائمہ مجتہدین نے مسائل کی تحقیق اور جزئی نظائر کی تدقیق میں کافی جد و جہد اور محنت کی، اور فروعی مسائل کے احکام کو ادلہ اربعہ سے مستنبط کیا، ان کا جن مسائل میں اتفاق رائے ہوا وہ حجت قطعیہ ہیں، ان پر عمل کرنا واجب ہے اور جن مسائل میں ان کا اختلاف ہے وہ امت کے لئے رحمت ہیں، بعض مجتہدین کو علوم عالیہ وآلیہ پر کافی عبور حاصل تھا، ان میں اجتہاد کی اعلی صلاحیت تھی، انہی ائمہ کے ذریعہ دین قوی ترین ستون کی شکل میں امت کے سامنے آیا، انہوں نے مسائل کو اپنے مقرر کردہ اصول پر منطبق کیا اور اجتہادی مسائل کی تہذیب وتنقیح کی، یہ حضرات اصول اور فروع میں کسی امام کی تقلید کیے بغیر قرآن کریم، سنت نبویہ، اجماع اور قیاس کے ذریعہ مسائل مستنبط کرتے تھے۔

امت کے درمیان قبول عام حاصل کرنے والے مذاہب

دنیا میں جن ائمہ کے مذاہب کو قبول عام حاصل ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ، مالک بن انس، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ محمد بن عبدالرحمن، عبدالرحمن اوزاعی، محمد بن ادریس شافعی، احمد بن حنبل اور داؤد علی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم۔

لیکن ان ائمہ مجتہدین میں چار حضرات: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب کو دنیا میں کافی شہرت ہوئی، اس کو اللہ کی قدرت کا کرشمہ اور ان ائمہ مجتہدین کی تقوی وللّٰہیت، صدق نیت اور اخلاص کامل کہنا چاہیے کہ صدیاں بیت جانے کے باوجود ان کے اصول وفروع کتابوں میں محفوظ ہیں اور مسلمانان عالم ان کی تقلید کررہے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب وکمالات

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ــــ جو ملت اسلامیہ کے روشن چراغ، شریعت مطہرہ کے مضبوط ترین ستون اور مجتہدین کے پیشوا ہیں ــــ کو اللہ نے علوم اسلامیہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اور ان میں اتنے فضائل وکمالات کو جمع کیا تھا جو دیگر ائمہ میں بہت کم نظر آتی

ہیں، چنانچہ چاردانگ عالم میں آپ کے فضل و کمال کا چرچا ہوا اور آپ کے مذہب کی پیروی کرنے والوں میں بیشتر مجتہدین ہونے کی وجہ سے ان کا مذہب خوب پھیلا۔

مسائل کو حل کرنے کے لیے شوریٰ کا قیام

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے فقہ کے اصول وضوابط اور ان کی جزئیات کو مدون کرنے کے لیے ماہر، باکمال، ذی علم، ذہین وفطین فضلاء کی ایک کمیٹی تشکیل دی، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی فن کا امام تھا، جیسے: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اخبار اور لسان میں ید طولی رکھتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ، اعراب اور بیان پر کافی عبور حاصل تھا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ زبردست قوت قیاس کے مالک تھے، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اصابت راء میں منفرد تھے، وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کو فن تفسیر میں کافی درک حاصل تھا، حفص بن غیاث بن طلق رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے میں ذہین وفطین شمار کیے جاتے تھے، یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کو جمع حدیث اور فقہی جزئیات کو پوری احتیاط کے ساتھ محفوظ کرنے میں کافی مہارت تھی، اسی طرح آپ کی مجلس میں قاضی اسد بن عمرو، نوح بن ابی مریم الجامع، ابو مطیع بلخی، یوسف بن خالد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نوابغ روزگار ائمہ شریک ہوتے تھے۔

امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما کا اعتراف کمال

مخالفین نے بھی آپ کے فضل و کمال کا اعتراف اور ہر فن کا امام تسلیم کیا ہے، حتی کہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو کہنے لگے:

هَل رَأَيت أَبَا حنيفَة؟ فَقَالَ: رَأَيت رجلا، لَو كلمك فِي هَذِهِ السارية أَن يَجْعَلهَا ذَهَبا، لقام بحجته.

(نصب الرایہ ۱/ ۵۴)

اگر کوئی شخص اس دیوار کو سونا کہے تو امام صاحب دلیل سے اس کا سونا ہونا ثابت کردیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

النَّاس عِيَال فِي الْفِقْه عَلَى أبي حنيفة. (شامی ۱/ ۷۳)

فن فقہ میں تمام اہل علم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج ہیں۔

ائمہ احناف کی علوم دینیہ میں دیگر مذاہب پر فوقیت

الغرض ہمارے ائمہ احناف کو حدیث، فقہ اور اجتہاد میں فوقیت و برتری حاصل ہے، امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ الکتائب میں لکھتے ہیں:

> بیش تر ائمہ احناف مختلف گاؤں اور شہروں میں مقیم تھے: متقدمین احناف بغداد میں تھے؛ کیوں کہ وہ دار الحکومت اور علم و فن کا گہوارہ تھا، بعض احناف خراسان، سمرقند اور بخارا اور بعض دوسرے ممالک میں مسند درس کو زینت بخش رہے تھے، جیسے: ری، شیراز، طوس، زنجان، ہمدان، استرآباد، مرغینان، بسطام، فرغان، دامغان اور اس کے علاوہ شہر جو ماوراء النہر میں ہیں، مثلاً: خراسان، آذربیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، کرمان، ہند کے شہروں تک، اور اس کے علاوہ عراق عرب اور عراق عجم کے شہروں میں بھی تھے۔

انہوں نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی نشر و اشاعت کی، مختلف مذاہب (مالکی، شافعی اور حنبلی) کے طلبہ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور پوری محنت اور جد و جہد کے ساتھ فن فقہ میں کمال پیدا کیا، اس طرح فقہاء کی تعداد بہت ہوگئی اور بے شمار کتابیں تصنیف کیں، مسائل جدیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کرتے تھے اور ان کو محفوظ رکھتے تھے، عوام الناس کے سوالات کے جوابات کبھی زبانی اور کبھی تحریری طور پر دیا کرتے تھے۔

تاتاریوں کی فتنہ انگیزی

یہ نظام بحسن و خوبی سالوں شاہ راہ ترقی پر گامزن رہا، محدثین، مفسرین، اور فقہاء

کی کھیپ تیار ہوتی رہی، یہاں تک کہ بدنام زمانہ چنگیز خان کا ظہور ہوا، اس نے وہ شدید تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا کہ جسے سن کر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، عورتوں، بچوں، مردوں اور بوڑھوں کا قتل عام کیا گیا، مکاتب، مدارس، مساجد، خانقاہیں، لائبریریاں، کتب خانے اور تہذیبی و ثقافتی مراکز تباہ و برباد کر دیے گئے، چنگیز خان شہر خوارزم میں آیا اور یہاں کے بادشاہ خوارزم شاہ محمد کو بے دردی سے قتل کر دیا اور پورے شہر کو آگ کے حوالہ کر دیا، شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ ۶۱۶ھ میں اسی المناک حادثہ میں شہید کر دیے گئے۔

چنگیز خان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اور خاندان والوں نے بھی مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا، ۶۵۶ھ میں سفاک ظالم و جابر ہلاکو عباسی دور کے آخری خلیفہ مستعصم کے زمانہ میں ٹڈی دل لشکر کے ساتھ بغداد میں آیا، اس نے خلیفہ کو قتل کر دیا، ادھر خون ریز تاتاریوں نے دار الخلافہ پر ہلہ بول دیا، علماء اور فقہاء کو شہید کیا گیا، اس دیار میں حنفی فقہاء گنے چنے تھے، یہ سب اپنے اہل و عیال کے ساتھ دمشق اور حلب روانہ ہو گئے، یہ دونوں شہر پر امن تھے؛ اس لیے یہاں مختلف دور دراز علاقوں سے طالبان علوم نبوت کی آمد ہونے لگی؛ لیکن یہاں بھی کچھ سالوں بعد جراکسہ کے بادشاہوں نے مسلمانوں پر جور و ظلم شروع کر دیا، بے قصوروں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، گھروں کو نذر آتش کیا گیا، چنانچہ یہاں سے اہل علم حضرات نے روم ہجرت کیا اور سلطنت عثمانیہ کے سایہ عاطفت میں باکمال ذی علم افراد جمع ہو گئے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ أشهر أَصْحَابه ذكرا أَبُو يُوسُف تولى قَضَاء الْقُضَاة أَيَّام هَارُون الرشيد فَكَانَ سَببا لظُهُور مذْهبه وَالْقَضَاء بِهِ فِي أقطار الْعرَاق وخراسان وَمَا وَرَاء النَّهر. (۱/۵۴)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز ترین شاگردوں میں امام ابو یوسف

رحمۃ اللہ علیہ ہیں، انہوں نے ہارون الرشید کے دور میں عہدہ قضاء سنبھالا تھا، چنانچہ یہ ملک عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں امام صاحب کا مذہب پھیلنے اور ان کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا سبب بنا۔

دوسرا باب

ائمہ احناف کے طبقات

ایک مفتی عالم کے لیے ائمہ احناف کے طبقات سے واقفیت نہایت ضروری ہے، میں (عبدالحی لکھنوی) نے درج ذیل رسائل میں اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے:

۱) النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر

۲) الفوائد البہیہ

۳) التعلیقات السنیہ

یہاں ہم اس بحث کو اختصار اور مفید اضافے کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ طبقات الحنفیہ میں لکھتے ہیں کہ مقلدین فقہاء کرام کے پانچ طبقات ہیں:

پہلا طبقہ

پہلا طبقہ متقدمین ائمہ احناف کا ہے، اس طبقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اور نامور تلامذہ آتے ہیں، جیسے: امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رحمۃ اللہ علیہم، یہ ائمہ مذہب کے دائرہ میں رہ کر اجتہاد کرتے ہیں اور اپنے استاذ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط کرتے ہیں، ان حضرات نے اگرچہ بعض مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے؛ لیکن اصول میں آپ ہی کی تقلید کی ہے، برخلاف امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے؛ کیوں کہ ان حضرات نے اصول اور فروع دونوں میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے، یہ طبقہ اجتہاد کے دوسرے زمرے میں آتا ہے۔

دوسرا طبقہ

دوسرا طبقہ متاخرین ائمہ احناف کا ہے، اس طبقہ میں ابوبکر احمد خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی، شمس الائمہ محمد سرخسی، فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی، امام فخر الدین حسن المعروف قاضی خان، ذخیرۃ البرہانیہ اور محیط کے مصنف: برہان الدین محمود، نصاب اور خلاصہ کے مصنف: شیخ طاہر بن احمد اور ان کے ہم

رتبہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم آتے ہیں، یہ حضرات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ فروع میں؛ البتہ امام اعظم کے تجویز کردہ اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان جزئیات کے احکام مستنبط کرتے ہیں جن کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔

تیسرا طبقہ

تیسرا طبقہ اصحاب تخریج کا ہے، یہ حضرات مقلدین ہوتے ہیں، جیسے امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کرام، ان حضرات میں اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی ہے؛ مگر چوں کہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کیے ہوتے ہیں اور ان اصول کے مآخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ فقہاء صاحب مذہب یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذو وجہین ہوتا ہے، یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں، اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اور نظائر وامثال پر قیاس کر کے تفصیل وتعیین کرتے ہیں، اور جہاں کہیں ہدایہ میں کذا فی تخریج الرازی جیسے الفاظ آئے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔

چوتھا طبقہ

چوتھا طبقہ اصحاب ترجیح کا ہے، یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں، جیسے: امام ابوالحسن قدوری رحمۃ اللہ علیہ، صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم رتبہ فقہاء کرام، ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات بعض روایات کو بعض روایات پر ان الفاظ سے ترجیح دیتے ہیں: هذا أولى، هذا أصح رواية، هذا أوفق للقياس، هذا أرفق بالناس۔

پانچواں طبقہ

پانچویں طبقہ میں وہ مقلدین فقہاء آتے ہیں جو اقوی، قوی، ضعیف، ظاہر مذہب، ظاہر روایت، اور نادر روایت میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جیسے: شمس الائمہ محمد کردری رحمۃ اللہ علیہ، جمال الدین حصیری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ

متاخرین فقہاء کے معتبر متون جیسے: صاحب مختار، صاحب وقایہ اور صاحب مجمع الانہر، یہ فقہائے کرام اپنی کتابوں میں مرجوح اقوال اور ضعیف روایت کو نقل نہیں کرتے ہیں۔

یہ فقہاء کا ادنی طبقہ ہے، اور جو حضرات اس ادنی طبقہ میں بھی شامل نہیں ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے فقہاء کی تقلید کریں، اور ان کے لیے معتبر فقہی کتابوں ہی سے فتویٰ دینا جائز ہے، امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات مکمل ہوئی۔

عمر بن عمر ازہری مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **الجواهر النفيسة شرح الدرة المنيفة في المذهب ابي حنيفة** میں اور علامہ قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ **ذم الروافض** میں **الاصلاح والايضاح** کے مصنف ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ فقہائے کرام کے سات طبقات ہیں، سابق میں پانچ طبقات کا بیان ہو چکا ہے، مزید دو یہ ہیں:

چھٹا طبقہ

یہ طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے، جنہوں نے شریعت میں اجتہاد کیا ہے، جیسے: ائمہ اربعہ، اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں، جنہوں نے اصول فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے اور اصول و فروع میں کسی امام کی تقلید کیے بغیر ادلہ اربعہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے فروعی احکام مستنبط کیے ہیں۔

ساتواں طبقہ

اس طبقہ میں وہ مقلدین حضرات آتے ہیں جو مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کر سکتے، نہ کار آمد اور نکمے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں، نہ دائیں بائیں میں فرق کر سکتے ہیں؛ بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کر لیتے ہیں، ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے جیسا ہے، اور ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں۔

میں (عبد الحی لکھنوی) کہتا ہوں: بعض علماء نے فقہاء کے پانچ طبقات بیان کیے ہیں اور بعض نے سات طبقات بیان کیے ہیں، ان دونوں قول کے درمیان تضاد نہیں ہے:

اس لیے کہ جن حضرات نے فقہاء کے پانچ طبقات کو بیان کیا ہے انہوں نے ان فقہاء کا ذکر کیا ہے جو مطلق اجتہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچے اور ضعیف وقوی روایت میں امتیاز کرنے کے درجہ سے نیچے نہیں ہیں، اور جن حضرات نے فقہاء کے سات طبقات کو بیان کیا ہے انہوں نے تقسیم میں مجتہدین فی المذہب اور ان علماء کو بھی شمار کیا ہے جن میں ظاہر روایت اور نادر روایت میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

صاحب درمختار سے تسامح

الدر المختار شرح تنویر الابصار کے مصنف سے یہاں غلطی ہوئی ہے؛ اس لیے کہ وہ لکھتے ہیں:

قَدْ ذَكَرُوا أَنَّ الْمُجْتَهِدَ الْمُطْلَقَ قَدْ فُقِدَ، وَأَمَّا الْمُقَيَّدُ فَعَلَى سَبْعِ مَرَاتِبَ مَشْهُورَةٍ.(۱/۷۷)

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد مطلق ختم ہو گئے، جہاں تک مجتہد مقید کی بات ہے تو اس کے سات مشہور مراتب ہیں۔

حضرت کی یہ بات صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ مجتہد مطلق ساتوں مراتب میں داخل ہے، خارج نہیں، اور ساتواں مرتبہ نہ مطلق اجتہاد کا درجہ ہے نہ مقید اجتہاد کا؛ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ مجتہد مقید کے پانچ مشہور مراتب ہیں۔

طبقات میں بطور مثال جن ائمہ کا نام ذکر کیا گیا ہے وہ محل نظر ہے

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ یہ تقسیم (فقہاء کے سات طبقات یا پانچ طبقات) گوکہ صحیح ہے لیکن طبقات میں بطور مثال جن فقہائے کرام کا نام ذکر کیا گیا ہے یہ کئی وجوہ سے محل نظر ہے:

(۱) امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما تعالیٰ کو مجتہدین فی المذہب کے طبقہ میں داخل کیا گیا ہے اور اس طبقہ میں وہ فقہائے کرام آتے ہیں جنہوں نے اصول میں اپنے امام سے اختلاف نہیں کیا، یہ بات واقع کے خلاف ہے؛ کیوں کہ دونوں حضرات نے امام اعظم

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اصول میں بھی اختلاف کیا ہے، حتی کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المنخول میں لکھتے ہیں:

إنهما خالفا أبا حنيفة رحمه الله تعالى في ثلثي مذهبه.
(المنخول من تعليقات المنخول ۱ / ۶۰۸)

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے امام سے دو تہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے۔

شمس الائمہ محمد بن عبد الستار کردری رحمۃ اللہ علیہ رد المنخول میں لکھتے ہیں:

إن الإمام أبا حنيفة رحمه الله قد علم أنهما بلغا رتبة الاجتهاد، وإن وظيفة المجتهد العمل باجتهاده دون اجتهاد غيره، فأمر بترك العمل بقوله، إذ لم يظهر دليله، وقال: لا يحل لأحد أن يأخذ بقولي ما لم يعلم من أين قلته، ونهى عن التقليد وندب إلى معرفة الدليل، فلم يظهر لهما دليل قول أبي حنيفة رحمه الله في بعض المسائل، وظهرت لهما الإمارة على خلاف قوله، فتركوا قوله بأمره عملا برأيهما بأمره.

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان دونوں (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) میں مطلق اجتہاد کی پوری صلاحیت ہے اور مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے، اس کو کسی دوسرے امام کے اجتہاد پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے، چنان چہ امام صاحب نے کہا: میرے قول پر اس وقت تک عمل نہ کیا جائے جب تک کہ یہ واضح نہ ہو کہ میں نے یہ بات کس

دلیل کی بنیاد پر کہی ہے اور آپ نے تقلید سے منع کیا، اور دلیل
سے واقف ہونا مستحب ہے، چوں کہ بعض مسائل میں ان دونوں
حضرات کو کافی جد و جہد کے بعد امام صاحب کی دلیل نہیں ملی؛
اس لیے انہوں نے اپنے امام کے قول کو نہیں لیا اور ان کے حکم کو
پیش نظر رکھ کر اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجتہد مطلق ہیں؛ لیکن ان دونوں حضرات نے امام صاحب کی اکرام اور تعظیم میں تقلید کی اور آپ کے مذہب کی تائید اور تدوین پر توجہ دی؛ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الانصاف میں اور عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے المیزان میں ان دونوں کو مجتہدین مطلق میں شمار کیا ہے۔

(۲) علامہ ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ امام خصاف، امام طحاوی اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہم میں مطلق اجتہاد کی اہلیت نہیں تھی، یہ بات بھی محل نظر ہے؛ کیوں کہ ان حضرات میں اجتہاد کی اہلیت تھی اور انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اصول و فروع دونوں میں اختلاف کیا ہے جو کہ ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

(۳) امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کو اس تقسیم میں درجہ اجتہاد سے بالکل خارج کر دیا گیا ہے، یہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے جس کا بخوبی اندازہ ان کی قوت استدلال اور بلند پایہ علمی فقہی اور تحقیقی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے اور شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی، شمس الائمہ محمد سرخسی، فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی اور علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہم کو مجتہدین فی المذہب میں شامل کیا گیا ہے، جب کہ یہ حضرات ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

(۴) اس تقسیم میں صاحب ہدایہ اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کو اصحاب ترجیح اور قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کو مجتہدین میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ ان دونوں کا درجہ بہر حال قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر ہے۔

مجتہد کی اقسام

علامہ احمد بن حجر مکی ہیتمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **شن الغارة علی من أبدی معرة تقولہ فی الحناء وعوارہ** میں شرح مہذب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

مجتہد کی دو قسمیں ہیں:

۱) مجتہد مطلق مستقل ۲) مجتہد مطلق منتسب

مجتہد مطلق مستقل: یعنی وہ شخص جو فقاہت نفس، سلامتی طبع، بیدار مغزی، دلائل کی معرفت، استنباط واستخراج کی اعلیٰ صلاحیت اور اصول وقواعد اور جزئیات پر گرفت جیسی بلند پایہ صفات سے متصف ہو، ان صفات کا حامل شخص طویل عرصہ سے معدوم ہے۔

مجتہد مطلق منتسب کے اقسام

جہاں تک مجتہد مطلق منتسب کی بات ہے تو اس کی چار قسمیں ہیں:

۱) وہ مجتہد جو ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی طرف نسبت کرتا ہو؛ لیکن مذہب اور دلیل میں اس کا مقلد نہ ہو؛ بلکہ محض اجتہاد میں اپنے امام کا طریقہ اختیار کرنے کی بنا پر اس کا انتساب اس مذہب کی طرف کیا جاتا ہو۔

۲) وہ مجتہد جو کسی امام کی تقلید کا پابند ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ امام کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے دلیل کی روشنی میں اپنے اصول مقرر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ تاکہ غیر منصوص مسائل کا حکم معلوم کرنے میں آسانی ہو اور ضرورت وغیرہ کا حسب موقع خیال رکھا جاسکے، ایسے شخص میں درج ذیل صفات کا پایا جانا ضروری ہے:

۱) اصول مذہب کا علم رکھنے والا ہو۔

۲) تفصیلی دلائل کا علم رکھتا ہو۔

۳) قیاس اور معانی کے ادراک پر پوری بصیرت ہو۔

۴) اپنے امام کے اصول وضوابط پر تخریج واستنباط کی اعلیٰ صلاحیت اور مہارت تامہ رکھتا ہو، اس درجہ کے فقہاء کو اصحاب الوجوہ کہا جاتا ہے۔

۳) وہ فقہاء جو اصحاب الوجوہ کے درجہ کو نہ پہونچے ہوں؛ لیکن وہ فقیہ ہیں، ان کو اپنے امام کے مذہب وکلیات پر گہری نظر ہے اور مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومبرہن کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؛ متاخرین فقہائے احناف میں چوتھی صدی کے آخر تک ایسے ہی حضرات پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے مذہب کے دلائل کو مدلل کیا اور کتابیں لکھیں۔

۴) وہ علمائے کرام جنہیں مسائل کو نصوص سے مدلل اور اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہے، بس فقہی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، دقیق اور پیچیدہ مباحث کو حل کرتے ہیں اور درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے ہیں؛ ایسے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسائل کے احکام معتبر فقہی کتابوں سے بیان کریں۔

تیسرا باب

مسائل حنفیہ کے طبقات کا بیان

امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ **اعلام الاخیار فی ترجمۃ الامام محمد** میں لکھتے ہیں کہ مسائل حنفیہ کے کل تین طبقات ہیں:

۱) ظاہر الروایہ/روایۃ الاصول

اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل کتابوں میں مذکور ہو:

۱) مبسوط، اس کے مختلف نسخے ہیں ان میں معروف ومشہور آپ کے شاگرد رشید ابو سلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کا نسخہ ہے، ان کے نسخہ کو اصل بھی کہا جاتا ہے۔

۲) جامع صغیر ۳) جامع کبیر ۴) سیر صغیر

۵) سیر کبیر ۶) زیادات

مبسوط کے نسخے

مبسوط کے کئی نسخے پائے جاتے ہیں، یہ دراصل شروحات ہیں، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں اس کی صراحت کی ہے۔(۱/۷۵)

(۱) شیخ الاسلام ابوبکر المعروف خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ کا نسخہ، اس کو مبسوط شیخ الاسلام اور مبسوط کبریٰ کہا جاتا ہے۔

(۲) شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا نسخہ۔

(۳) علامہ سرخسی کے استاذ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کا نسخہ۔

ظاہر الروایہ کے کچھ مسائل حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کی المنتقی نامی کتاب میں ہے؛ لیکن اس کا درجہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی درج بالا کتابوں کے بعد ہے، اس زمانہ میں یہ کتاب ناپید ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکافی بھی مسائل الاصول میں سے ہے، بہت سے علماء نے اس کی شروحات لکھی ہیں، مثلاً شمس الائمہ محمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام علی قاضی اسبیجابی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

۲) غیر ظاہر الروایہ/روایۃ النوادر

اصحاب مذہب کی وہ روایتیں جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں مذکور ہیں جیسے: کیسانیات، رقیات، جرجانیات اور ہارونیات، یہ کتابیں نوادر یا غیر ظاہر الروایہ کہلاتی ہیں؛ کیوں کہ مذہب میں ان کی سند ظاہر الروایہ کی طرح معروف ومشہور نہیں ہے۔

یا وہ روایتیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے علاوہ دیگر کتب میں مذکور ہیں، جیسے: حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی المجرد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امالی (یہ املا کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کہ استاذ شاگردوں کے سامنے زبانی درس دے اور طلبہ اس کو نوٹ کریں، پھر وہ اس کو یکجا کرتے تھے اور کتابی شکل دے کر امالی کے نام سے موسوم کر دیتے تھے۔)

یا وہ روایتیں جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں سے منقول ہیں جیسے ابن سماعہ وغیرہ سے منقول ہیں، نیز وہ مسائل جو اصول کے خلاف ہیں، یہ سب غیر ظاہر الروایہ ہیں، ان کو نوادر بھی کہا جاتا ہے، جیسے: نوادر ابن سماعہ، نوادر ہشام اور نوادر ابن رستم۔

۳) الفتاوی/ الواقعات

اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے جن کے احکام ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دو مشہور شاگردوں) سے منقول نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے احکام امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے متاخرین شاگردوں نے یا دیگر فقہائے احناف نے مستنبط کیے ہیں، نوازل سب سے پہلی کتاب جس میں فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے اس کے مؤلف فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی المعروف امام الہدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، حضرت نے اس کتاب میں اپنے مجتہدین مشائخ کے فتاویٰ کو جمع کیا ہے، اسی طرح اپنے مشائخ کے شیوخ کے فتاوے کو بھی جمع کیا ہے، جیسے: محمد بن مقاتل رازی، محمد بن سلمہ اور نصیر بن یحیی رحمۃ اللہ علیہم۔

ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں جگہ جگہ اپنی رائے کو بھی ذکر کیا ہے، یہی کتاب درحقیقت واقعات ہے، پھر مشائخ نے اس کتاب کے ساتھ دیگر کتابیں بھی ملا دیں جیسے

ناطفی اور صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کی مجموع النوازل والواقعات۔

پھر ان کے بعد کے مشائخ نے ان مذکورہ بالا تینوں طبقات کو بغیر کسی امتیاز کے اپنے فتاویٰ میں جمع کیا ہے، جیسے: جامع قاضی خان، خلاصہ اور ان کے علاوہ دیگر کتب فتاویٰ، اور بعض مشائخ نے امتیاز کیا ہے، جیسے کہ علامہ رضی الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی المحیط ،حضرت نے اس کتاب میں پہلے مسائل الاصول کو بیان کیا ہے اس کے بعد نوادر الروایہ کو پھر فتاویٰ کو، امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات مکمل ہوئی۔

میں (عبدالحی لکھنوی) نے اس موضوع سے متعلق بعض امور کو مقدمۃ الہدایہ اور النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں بیان کیا ہے، قارئین کو ان کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔

متون شروحات پر مقدم ہیں

اکابر فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ مسائلِ متون مسائلِ شروحات پر مقدم ہیں اور مسائلِ شروحات فتاوی پر مقدم ہیں؛ لہٰذا متن اور شرح کے مسئلہ میں تعارض ہوجائے تو متن کے قول کو ترجیح ہوگی، اسی طرح شروحات کے مسائل فتاویٰ کے مقابلہ میں راجح سمجھے جائیں گے؛ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب فقہائے احناف نے شروحات یا فتاویٰ میں کسی مسئلہ کے بارے میں یہ الفاظ نہ لکھے ہوں: **هذا القول صحيح، أو أصح، أو عليه الفتوى، أو به نأخذ**، یا اس کے علاوہ وہ صریح الفاظ جو کسی قول کو ترجیح دینے کے لیے لکھے جاتے ہیں۔

ردالمحتار علی الدر المختار کے مصنف تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں باب الاجارہ کی بحث کے تحت لکھتے ہیں:

قَدْ ذَكَرَ ابْنُ وَهْبَانَ وَغَيْرُهُ أَنَّهُ لَا عِبْرَةَ بِمَا يَقُولُهُ فِي الْقُنْيَةِ إِذَا خَالَفَ غَيْرُهُ وَقَالُوا أَيْضًا إِنَّ مَا فِي الْمُتُونِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَا فِي الشُّرُوحِ وَمَا فِي الشُّرُوحِ عَلَى مَا فِي

الْفَتَاوٰی. (۱۱۵/۲)

علامہ ابن وہبان اور دیگر فقہاء نے لکھا ہے: قنیہ کے مسائل معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ معتبر فقہی کتابوں سے ان کی تائید ہوجائے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسائلِ متون مسائلِ شروح پر مقدم ہیں اور شروحات فتاویٰ پر مقدم ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا کتاب میں کتاب الفرائض میں لکھتے ہیں:

جب میت کے ورثا میں صرف چچازاد بہن اور ماموں زاد بھائی ہوتو خیر الدین رملی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ پورا ترکہ چچازاد بہن کو ملے گا۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۳۰۹/۲)

یہ مسئلہ لکھنے کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارت ذکر کیا ہے:

قَدْ ذَكَرُوا أَنَّ مَا فِي الْمُتُونِ مُصَحَّحٌ الْتِزَامًا أَيِ الْتَزَمَ أَصْحَابُ الْمُتُونِ أَنْ يَذْكُرُوا فِيهَا الصَّحِيحَ وَأَنَّ التَّصْحِيحَ الصَّرِيحَ أَقْوَى مِنَ التَّصْحِيحِ الِالْتِزَامِيِّ وَمَا أَفْتَى بِهِ الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ صَرَّحَ بِتَصْحِيحِهِ فِي الْمُضْمَرَاتِ وَقَوْلُ الْمُؤَلِّفِ أَنَّ الْمُتُونَ مَوْضُوعَةٌ لِنَقْلِ الْمَذْهَبِ لَا يَدُلُّ عَلَى تَرْجِيحِ مَا فِيهَا فِي مَسْأَلَتِنَا لِأَنَّ الْمُرَادَ بِالْمَذْهَبِ مَا يُذْكَرُ فِي كُتُبِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وههنا كُلٌّ مِنَ الْقَوْلَيْنِ قَدْ صَرَّحُوا بِأَنَّهُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ فَحَيْثُ كَانَ كَذَٰلِكَ فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُ مَا صَرَّحُوا لَنَا بِتَصْحِيحِهِ.

(شامی ۳۱۰/۲)

جو قول متن کی معتبر کتابوں میں لکھا جاتا ہے وہ درحقیقت التزامی طور پر صحت کو مستلزم ہوتا ہے، یعنی اصحاب متون نے اپنی کتابوں

میں صحیح قول ہی ذکر کرتے ہیں، اور یہ بات بدیہی ہے کہ تصحیح صریح تصحیح التزامی سے اقوی ہوتا ہے، امام خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا مسئلہ پر جو حکم لگایا ہے، یعنی میت کا پوراتر کہ چچازاد بہن کو ملے گا، حضرت نے جامع المضمرات میں اس قول کی تصحیح کی صراحت کی ہے۔

مؤلف (حامد آفندی بن علی ابراہیم عمادی حنفی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ کہنا کہ متون میں مذہب کے نقل کرنے کا التزام کیا گیا ہے، اس قول سے مذکورہ بالا مسئلہ کی ترجیح ثابت نہیں ہوتی ہے؛ کیوں کہ مذہب سے مراد وہ مسائل ہیں جو کتب ظاہر الروایہ میں نقل کیے گئے ہیں، یہاں فقہاء نے دونوں قول کے ظاہر الروایہ ہونے کی صراحت کی ہے، لہٰذا جہاں کہیں ایسی صورت پیش آئے تو ہم اس قول پر فتویٰ دیں جس کو فقہاء نے صحیح قرار دیا ہو۔

متون سے کون سی کتابیں مراد ہیں؟

فقہائے کرام نے جو یہ لکھا ہے کہ مسائلِ متون شروحات کے مسائل پر مقدم ہیں، اس سے تمام متون مراد نہیں ہیں؛ بلکہ وہ مختصر اور جامع متون مراد ہیں جن کے مصنفین وہ ماہر باکمال فقہاء ہیں جو فضل وکمال، زہد وتقویٰ میں معروف ومشہور ہیں اور انہیں فقہی جزئیات وکلیات پر کافی دسترس حاصل ہے، جیسے: علامہ ابوجعفر طحاوی، امام کرخی، حاکم شہید، امام قدوری اور ان کے ہم رتبہ ائمہ عظام رحمۃ اللہ علیہم۔

متاخرین فقہائے احناف کے نزدیک درج ذیل متون زیادہ قابل اعتماد ہیں؛ اس لیے کہ ان کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں راجح مسائل ذکر کرنے کا التزام کیا ہے۔

۱) وقایہ، مصنف: تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۷۳ھ)

۲) کنز الدقائق، مصنف: ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۷۱۰ھ)

۳) المختار الفتوی، مصنف: ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود الموصلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۸۳ھ)

۴) مجمع البحرین، مصنف: مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب ساعاتی بعلبکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۹۴ھ)

۵) مختصر القدوری، مصنف: ابو الحسن احمد قدوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۲۸ھ)

ان مذکورہ بالا متون میں سب سے زیادہ معروف ومشہور اور قابل اعتماد: وقایہ، کنز الدقائق، اور مختصر القدوری ہیں، جب فقہ حنفی میں متون ثلاثہ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی تین متون مراد ہوتے ہیں اور جب متون اربعہ بالا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مجمع البحرین یا مختار کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے۔

کیا متون میں ظاہر الروایہ مسائل ذکر کرنے کا التزام کیا گیا ہے؟

یہ بات جو مشہور ہے کہ متون میں ظاہر الروایہ مسائل ذکر کئے جاتے ہیں، یہ حکم اکثری ہے، کلی نہیں ہے؛ اس لیے کہ بسا اوقات اصحاب متون کسی ایسے مسئلہ کو ذکر کردیتے ہیں جو متقدمین مشائخ کے یہاں راجح ہوتا ہے؛ لیکن وہ ائمہ متبوعین کے مسلک کے خلاف ہوتی ہے، جیسے: العشر فی العشر والا مسئلہ، اس کی حد متقدمین مشائخ نے بیان کیا ہے۔

متون میں امام صاحب کے مذہب کو نقل کرنے کا التزام نہیں کیا گیا ہے

اسی طرح جو یہ بات مشہور ہے کہ متون میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو نقل کرنے کا التزام کیا گیا ہے، یہ حکم بھی اکثری ہے، کلی نہیں؛ کیوں کہ متون میں بہت سے مقامات میں صاحبین کے مذہب کو بھی بیان کرکے اس کو راجح قرار دیا گیا ہے، جیسے: السجدۃ بالجبھۃ والأنف وغیرہ کی بحث میں۔

چوتھا باب

فوائد منثورہ

یہ مفتیان کرام اور مصنفین کے لیے بڑے کام کی چیز ہے۔

فقہ کی غیر معتبر کتابیں

صاحب ردالمحتار شیخ ہبت اللہ بعلی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح الاشباہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

شیخ صالح بن ابراہیم بن سلیمان جینینی دمشقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: درج ذیل کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے:

۱) وہ کتابیں جن میں مسائل کو بہت ہی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جیسے: ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ کی النہر الفائق، محمود بن احمد بن موسی عینی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کنز اور الدر المختار شرح تنویر الابصار وغیرہ۔

۲) وہ کتابیں جن کے مصنفین کے حالات کا علم نہیں ہے، جیسے: معین الدین ہروی المعروف ملا مسکین رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کنز اور محمد خراسانی قہستانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح النقایہ۔

۳) وہ کتابیں جن میں ضعیف اقوال کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے، جیسے زاہدی رحمۃ اللہ علیہ کی قنیہ۔

ان کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ جب اس بات کی تحقیق ہو جائے کہ یہ مسئلہ معتبر فقہی کتابوں میں بھی موجود ہے تو جائز ہے۔

شیخ صالح بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا:

> مذکورہ بالا کتابوں میں الاشباہ والنظائر کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات میں مسائل اتنے اجمال واختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ ان کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان کے مآخذ ومصادر کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ یہ بات ان اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے جنہوں نے اس کتاب کا مطالعہ حواشی کے ساتھ کیا ہے، لہٰذا فتوی میں اسی کتاب پر انحصار نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ اس پر لکھے ہوئے حواشی یا دیگر معتبر

فقہی کتابوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔

غیر مستند کتابوں کا حوالہ نہ دیا جائے

علامہ علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں:

وَمِنَ الْقَوَاعِدِ الْكُلِّيَّةِ أَنَّ نَقْلَ الْأَحَادِيثِ النَّبَوِيَّةِ وَالْمَسَائِلِ الْفِقْهِيَّةِ وَالتَّفَاسِيرِ الْقُرْآنِيَّةِ لَا يَجُوزُ إِلَّا مِنَ الْكُتُبِ الْمُتَدَاوَلَةِ لِعَدَمِ الْاِعْتِمَادِ عَلَى غَيْرِهَا مِنْ وَضْعِ الزَّنَادِقَةِ وَإِلْحَاقِ الْمَلَاحِدَةِ بِخِلَافِ الْكُتُبِ الْمَحْفُوظَةِ فَإِنَّ نُسَخَهَا تَكُونُ صَحِيحَةً مُتَعَدِّدَةً۔

(الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ۱/ ۴۱۰)

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث نبویہ، فقہی مسائل، اور قرآنی تفاسیر کو مشہور و معروف کتابوں ہی سے نقل کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ گمراہ اور بددین لوگوں کے دیگر کتابوں میں بے بنیاد باتیں داخل کردینے کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، برخلاف کتب محفوظہ کے؛ کیوں کہ ان کے نسخے متعدد ہیں اور صحیح ہیں۔

غیر مجتہد مفتی اور اس کی ذمہ داری

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب فتح القدیر میں کتاب القضاء کے تحت لکھتے ہیں:

اصولیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مفتی در حقیقت وہ شخص ہے جس میں اجتہاد کی اہلیت ہو، جہاں تک اس شخص کی بات ہے جو مجتہد کے اقوال کو محفوظ کرتا ہے تو وہ مفتی نہیں ہے، جب ایسے شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ بطور نقل ائمہ متبوعین میں سے کسی مجتہد مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ذکر کردے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ

ہمارے زمانہ میں عوام الناس کی طرف سے کیے گئے فقہی سوالات کے جو جوابات لکھے جاتے ہیں وہ فتویٰ نہیں ہے؛ بلکہ وہ مفتی (مجتہد) کے قول کو نقل کرنا ہے۔

جب کسی فقہی سوال کے جواب میں مجتہد کے قول کو نقل کیا جائے گا تو اس کی دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی:

۱) یا تو اس ناقل کے پاس کوئی سند ہو جو مجتہد تک پہنچتی ہو۔

۲) یا کسی معروف ومتداول کتاب سے مجتہد کے قول کو نقل کیا جائے، جیسے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اور دیگر مجتہدین کی مشہور تصانیف؛ اس لیے کہ یہ کتابیں خبر متواتر یا کم ازکم خبر مشہور کے قائم مقام ہیں، اس بات کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصول فی الفصول میں ذکر کیا ہے۔ (۳/ ۱٦۲)

اس بنا پر اگر ہمارے زمانہ میں نوادر کے بعض نسخے موجود ہوں تو ان کے مسائل کا انتساب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صحیح نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ نسخے معروف ومتداول نہیں ہیں؛ البتہ نوادر کے مسائل کسی مشہور کتاب میں مذکور ہو، جیسے: ہدایہ، مبسوط وغیرہ تو ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اگر کسی شخص کو مجتہدین کے مختلف اقوال مستحضر ہوں؛ لیکن ان کے دلائل سے واقف نہ ہو اور کسی مسئلہ کو ترجیح دینے کے لیے اس میں اجتہاد کی اہلیت بھی نہ ہو تو بالجزم کسی ایک قول پر فتویٰ نہ دے، بلکہ جواب میں ان مختلف اقوال کو بیان کردے اور مستفتی اس قول پر عمل کرے جس پر اس کو شرح صدر ہوجائے، بعض جوامع میں یہ بات اسی طرح مذکور ہے، صاحب فتح القدیر کہتے ہیں:

تمام اقوال کو نقل کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ کسی ایک قول کو نقل کردینا کافی ہے؛ کیوں کہ مقلد کسی بھی مجتہد کی تقلید کرسکتا ہے۔

(فتح القدیر ٦/ ۳٦۰)

المحیط البرھانی غیر معتبر کتاب ہے؟

ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں وقف کی مختلف صورتوں کو بیان کیا ہے، حضرت نے یہ رسالہ اپنے بعض معاصرین کے رد میں لکھا ہے، اس بات کو المحیط البرھانی کے حوالہ سے نقل کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کتاب نایاب ہے، جیسا کہ ابن امیر حاج رحمۃ اللہ علیہ نے شرح منیۃ المصلی میں اس بات کی صراحت کی ہے، اگر بالفرض اس بات کو مان لیا جائے کہ یہ کتاب صرف انہی کو ملی ہے تب بھی اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے کتاب القضاء میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

نوٹ: النافع الکبیر میں مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ کتاب فی نفسہ معتبر ہے، اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے غیر متداول ہونے کی وجہ سے اس کو غیر معتبر قرار دیا ہے، فی زماننا متداول ہو چکی ہے؛ لہٰذا اب یہ حکم نہیں ہے۔ از مترجم

فتویٰ میں صریح جزئیہ نقل کیا جائے

الاشباہ والنظائر کے محشی سید احمد حموی رحمۃ اللہ علیہ الفوائد الزینیۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں، الفوائد ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔

أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الْإِفْتَاءُ مِنَ الْقَوَاعِدِ وَالضَّوَابِطِ، وَإِنَّمَا عَلَى الْمُفْتِي حِكَايَةُ النَّقْلِ الصَّرِيحِ كَمَا صَرَّحُوا بِهِ.

(غمز عیون البصائر ۱/ ۳۰۸)

علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اصول وضوابط سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مفتی کے لیے فتویٰ میں صریح عبارت نقل کرنا ضروری ہے۔

غمز عیون البصائر علی محاسن الاشباہ والنظائر میں ہے:

لَا عِبْرَةَ بِمَا فِي كُتُبِ الْأُصُولِ إِذَا خَالَفَ مَا ذُكِرَ فِي كُتُبِ الْفُرُوعِ، كَمَا صَرَّحُوا بِهِ. (غمز عیون البصائر ۲/ ۱۰۰)

اگر کوئی مسئلہ کتب اصول اور کتب فروع دونوں میں مذکور ہو اور حکم میں اختلاف ہو جائے تو ثانی الذکر کا اعتبار ہوگا۔

امام حموی رحمۃ اللہ علیہ مولف اشباہ کے بعض رسائل کے حوالہ سے غمز عیون البصائر میں لکھتے ہیں:

لَا تَجُوزُ الْفَتْوَى مِنَ التَّصَانِيفِ الْغَيْرِ الْمَشْهُورَةِ۔

(۳/۴۵۱)

غیر معروف کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

معروف کتب میں اسناد کی ضرورت نہیں ہے

قنیہ میں امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اصول الفقہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

وَأَمَّا مَا يُوجَدُ مِنْ كَلَامِ رَجُلٍ وَمَذْهَبِهِ فِي كِتَابٍ مَعْرُوفٍ بِهِ قَدْ تَنَاوَلَتْهُ النُّسَخُ، فَإِنَّهُ جَائِزٌ لِمَنْ نَظَرَ فِيهِ أَنْ يَقُولَ: قَالَ فُلَانٌ كَذَا، وَمَذْهَبُ فُلَانٍ كَذَا، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْهُ مِنْ أَحَدٍ. مِثْلُ كُتُبِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، وَمُوَطَّأُ مَالِكٍ، وَنَحْوِهَا مِنَ الْكُتُبِ الْمُصَنَّفَةِ فِي أَصْنَافِ الْعُلُومِ، لِأَنَّ وُجُودَ ذَلِكَ عَلَى هَذَا الْوَصْفِ بِمَنْزِلَةِ خَبَرِ التَّوَاتُرِ وَالِاسْتِفَاضَةِ، لَا يَحْتَاجُ مِثْلُهُ إِلَى إِسْنَادٍ۔ (الفصول فی الاصول ۳/ ۱۹۲)

اگر کسی شخص کا کلام اور اس کا مذہب کسی مشہور کتاب میں ہو اور اس کتاب کے نسخے لوگوں کے درمیان متداول اور معروف ہوں تو جو شخص اس کتاب کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کہے: قال فلان، یعنی فلاں شخص ایسا کہا، اگر چہ کسی سے نہ سنا ہو، جیسے: محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں، موطا امام مالک اور دیگر کتابیں جو مختلف علوم میں لکھی گئی ہیں؛ اس

لیے کہ ان کتابوں کا اس طرح سے پایا جانا خبر متواتر اور خبر مشہور کے درجہ میں ہے جس میں سند کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نوازل میں ہے:

سُئِلَ أَبُو نَصْرٍ وَقَعَتْ عندنا كُتُبٌ أَرْبَعَةٌ كِتَابُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ رُسْتُمَ وَأَدَبِ الْقَاضِي عَنِ الْخَصَّافِ وَكِتَابُ الْمُجَرَّدِ وَكِتَابُ النَّوَادِرِ مِنْ جِهَةِ هِشَامٍ فَهَلْ يَجُوزُ لَنَا أَنْ نُفْتِيَ مِنْهَا أَوْلا؟ فَقَالَ مَا صَحَّ عَنْ أَصْحَابِنَا فَذَلِكَ عِلْمٌ مَحْبُوبٌ مَرْغُوبٌ فِيهِ مَرْضِيٌّ بِهِ. وَأَمَّا الْفُتْيَا، فَإِنِّي لَا أَرَى لِأَحَدٍ أَنْ يُفْتِيَ بِشَيْءٍ لَا يَفْهَمُهُ وَلَا يَتَحَمَّلُ أَثْقَالَ النَّاسِ، فَإِنْ كَانَتْ مَسَائِلَ قَدْ اُشْتُهِرَتْ وَظَهَرَتْ وَانْجَلَتْ عَنْ أَصْحَابِنَا رَجَوْت أَنْ يَسَعَ الِاعْتِمَادُ عَلَيْهِ. (البحر الرائق ۱/۸۰)

ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: ہمارے پاس چار کتابیں ہیں: (۱) کتاب ابراہیم بن رستم (۲) ادب القاضی جو کہ امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے (۳) کتاب المجرد (۴) نوادر جو کہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ہے، کیا ہم ان کتابوں سے فتوی دے سکتے ہیں؟ ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: جو مسائل ہمارے ائمہ احناف سے صحیح سند سے ثابت ہیں وہ پسندیدہ اور مرغوب فیہ علم ہے، اور جہاں تک فتوی دینے کی بات ہے تو کسی عالم کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ بغیر سمجھے کسی مسئلہ کا حکم بتائے، اور مستفتی کا گناہ اپنے سر لے؛ البتہ وہ مسائل جو ہمارے ائمہ کرام سے بطریق تواتر منقول ہیں تو ان مذکورہ بالا کتابوں پر اعتماد کیا

جا سکتا ہے۔

فقہ کی مزید غیر معتبر کتابیں

(۱) علامہ قہستانی شمس الدین محمد مفتی بخارا رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۵۰ یا ۹۶۲ھ) کی شرح مختصر الوقایہ، اور ابو المکارم کی شرح مختصر الوقایہ۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں کراہۃ لبس الثوب الاحمر کی بحث میں لکھتے ہیں:

عَلَى أَنَّ الَّذِي يَجِبُ عَلَى الْمُقَلِّدِ اتِّبَاعُ مَذْهَبِ إِمَامِهِ.وَالظَّاهِرُ أَنَّ مَا نَقَلَهُ هَؤُلَاءِ الْأَئِمَّةُ هُوَ مَذْهَبُ الْإِمَامِ لَا مَا نَقَلَهُ أَبُو الْمَكَارِمِ فَإِنَّهُ رَجُلٌ مَجْهُولٌ وَكِتَابُهُ كَذَلِكَ والقهستانى كَجَارِفِ سَيْلٍ وَحَاطِبِ لَيْلٍ خُصُوصًا وَاسْتِنَادُهُ إِلَى كُتُبِ الزَّاهِدِي الْمُعْتَزِلِيِّ.(۲/ ۳۲۴)

علاوہ ازیں جو چیز مقلد پر واجب ہے وہ اپنے امام کے مسلک کی اتباع کرنا ہے، ظاہر ہے کہ جن مسائل کو ان ائمہ نے نقل کیا ہے وہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، نہ کہ وہ مسائل جن کو ابو المکارم نے نقل کیا ہے؛ کیوں کہ وہ غیر معروف آدمی ہے، اور اس کی کتاب بھی غیر معتبر ہے، علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے انسان کی طرح ہے، انہوں نے ہر رطب ویابس کو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے، بالخصوص وہ مسائل جو زاہدی معتزلی کی کتابوں سے لیے ہیں، وہ غیر معتبر ہیں۔

علامہ علی مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شم العوارض فی ذم الروافض میں لکھتے ہیں:

لقد صدق عصام الدين فى حق القهستانى أنه لم

يكن من تلاميذ شيخ الإسلام الهروي رحمه الله لا من أعاليهم ولا من أدانيهم، وإنما كان دلال الكتب في زمانه، ولا كان يعرف بالفقه وغيره بين أقرانه، ويؤيده أنه يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح والضعيف من غير تحقيق وتدقيق، فهو كحاطب الليل، الجامع بين الرطب واليابس في الليل.

مولانا عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی کے بارے میں سچ کہا کہ وہ شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے نہیں ہیں؛ بلکہ وہ اپنے زمانہ میں کتابوں کی نیلامی کرتا تھا، اس کو فقہ وغیرہ سے مناسبت نہیں تھی، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں بغیر تحقیق اور تدقیق کے تمام باتیں جمع کر لیتے ہیں صحیح اور ضعیف اقوال میں امتیاز نہیں کرتے ہیں، پس ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے شخص کی طرح ہے جو رات میں تمام اچھی اور ردی چیزوں کو اکٹھا کر لیتا ہے۔

فتاوی ابراہیم شاہی

قاضی شہاب الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف میں سے فتاوی ابراہیم شاہی غیر معتبر کتاب ہے، مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے منتخب التواریخ میں اکبری دور کے نامور عالم علامہ شیخ حاتم سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۶۸ھ) کے حوالہ سے اس بات کو نقل کیا ہے۔

علامہ زاہدی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات

نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۵۶ھ) عقائد میں معتزلی

اور فروعی مسائل میں حنفی تھے، ان کی تمام کتابیں غیر معتبر ہیں، جیسے: قنیہ، حاوی، مختصر القدوری کی شرح مجتبیٰ، زادالائمہ وغیرہ۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں لکھتے ہیں:

وَنَقْل الزَّاهِدِيِّ لَايُعَارِضُ نَقْلَ الْمُعْتَبَرَاتِ النُّعْمَانِيَّةِ فَإِنَّهُ ذَكَرَ ابْنُ وَهْبَانَ أَنَّهُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَى مَا نَقَلَهُ صَاحِبُ الْقُنْيَةِ يَعْنِي الزَّاهِدِيَّ مُخَالِفًا لِلْقَوَاعِدِ مَا لَمْ يُعَضِّدْهُ نَقْلٌ مِنْ غَيْرِهِ وَمِثْلُهُ فِي النَّهْرِ أَيْضًا. (۳۲۴/۲)

اگر نجم الدین زاہدی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی بات فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کے خلاف ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا؛ کیوں کہ ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صاحب قنیہ کی وہ تمام مسائل غیر معتبر ہیں جو قواعد کے خلاف ہیں، ان کی وہی باتیں لی جائیں گی جن کی تائید معتبر فقہی کتابوں سے ہوتی ہے، النہر الفائق میں بھی یہ بات لکھی ہوئی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وَالْحَاوِي لِلزَّاهِدِيِّ مَشْهُورٌ بِنَقْلِ الرِّوَايَاتِ الضَّعِيفَةِ. (تنقیح الفتاوی الحامدیہ)

یہ بات مشہور ہے کہ حاوی (مؤلف: نجم الدین زاہدی رحمۃ اللہ علیہ) نامی کتاب میں مرجوح اقوال کو نقل کیا گیا ہے۔

السراج الوھاج و مشتمل الاحکام

ابوبکر بن علی حدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۸۰۰ھ) کی السراج الوھاج اور فخر الدین

رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مشتمل الاحکام یہ دونوں کتابیں غیر معتبر ہیں، جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے مولی برکلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس بات کو نقل کیا ہے۔

الفتاوی الصوفیہ

یوسف بن عمر بن یوسف صوفی کادوری رحمۃ اللہ علیہ (صاحب مضمرات) کے شاگرد کی کتاب الفتاوی الصوفیہ غیر معتبر کتاب ہے، صاحب کشف الظنون مولی برکلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> **لیست من الکتب المعتبرة، فلا یجوز العمل بما فیها، إلا إذا علم موافقتها للأصول.** (۲/ ۳۲۴)
>
> فتاویٰ صوفیہ کا شمار غیر معتبر کتابوں میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کتاب کے انہی مسائل کو لینا جائز ہوگا جن کی تائید فقہ کی اصولی کتابوں سے ہو۔

فتاویٰ ابن نجیم اور فتاویٰ طوری

فتاویٰ ابن نجیم اور فتاویٰ طوری یہ دونوں کتابیں غیر معتبر ہیں، جیسا کہ صاحب ردالمحتار نے ملا مسکین کی حاشیۃ ابی السعود الازہری علی شرح الکنز کے حوالہ سے اس بات کو لکھا ہے۔

خلاصۃ الکیدانی

خلاصۃ الکیدانی غیر معتبر کتاب ہے، اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس کے مصنف لطف اللہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ کتاب گوکہ ماوراء النہر کے شہروں میں بہت مشہور ہے، اور اہل علم کے درمیان متداول ہے، اس کتاب کو بہت ہی اہتمام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یاد کیا جاتا ہے؛ لیکن اب تک معلوم نہیں ہوا کہ اس کتاب کے مؤلف کون ہیں؟ ان کا مشغلہ کیا تھا؟ کیا ان کا شمار مصنفین میں ہوتا ہے، یا ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں یہ مثل مشہور ہے: **من لا یعرف الفقه صنف فیه کتابا.** (دیکھو! اس شخص کو فقہ سے مناسبت بھی نہیں اور اس فن میں کتاب لکھ دیا) صاحب

کشف الظنون لکھتے ہیں:

اس کتاب کے مؤلف کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) اس کتاب کے مؤلف شمس الدین بن حمزہ فناری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۸۸۴ھ) ہیں، یہ مطول، تلویح، وغیرہ کے محشی حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا ہیں، اس بات کو مولی احمد المعروف بطاشکبری زادہ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح کشف الظنون کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

(۲) یہ ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے، یہ خلاصۃ الکیدانی کے شارح حسن الکافی الاقصحاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۰۲۵) کی رائے ہے۔

(۳) اس کتاب کے مؤلف فاضل کیدانی رحمۃ اللہ علیہ، اس بات کو شمس الدین قہستانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۃ الکیدانی کی شرح میں ذکر کیا ہے اسی طرح ابراہیم بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی شرح میں لکھا ہے۔

تزیین العبارۃ لتحسین الإشارۃ اور **التدھین للتزیین** کے مصنف نے مذکورہ بالا تین علماء کے علاوہ ایک چوتھے عالم ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف: الوافی) کا نام ذکر کیا ہے؛ یہ ضعیف ترین قول ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قائل فقہائے کرام کے احوال سے واقف نہیں ہے؛ کیوں کہ الوافی کے مؤلف عبد اللہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی تصانیف میں کنز، منار، مدارک وغیرہ کتابیں ہیں، ان کی وفات ۷۰۱ھ یا ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے؛ عمر نسفی دوسرے عالم ہیں، ان کے اور عبد اللہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تقریباً دوصدی کا فاصلہ ہے؛ کیوں کہ عمر بن محمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ الملقب بمفتی الثقلین اور نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف: نظم الجامع الصغیر، المنظومۃ فی الفقہ) کی وفات ۵۳۷ھ میں ہوئی ہے، میں نے اس بات کو **الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ** میں تفصیل سے بیان کیا ہے، عجیب بات ہے کہ تراجم احناف پر لکھی گئی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ مذکورہ بالا کتاب کے مصنف لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو ہم کہیں گے یہ غیر معروف شخص ہے؛ کیوں کہ تراجم احناف پر لکھی گئی کتابوں میں سے کسی کتاب

میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے اور غیر معروف شخص کی کتاب میں درج شدہ مسائل پر اسی وقت اعتماد کیا جا سکتا ہے جب ان کی تائید معتبر فقہی کتابوں سے ہو جائے۔

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس کتاب کے مؤلف ابن کمال پاشا یا ابن حمزہ رحمۃ اللہ علیہما ہیں تو یہ دونوں حضرات اگر چہ اپنے دور میں صف اول کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے اور ان کے علم کا طوطی بول رہا تھا؛ لیکن مذکورہ بالا کتاب میں مرجوح اقوال ہونے کی وجہ سے فتویٰ دینا صحیح نہیں ہے، ایسا بہت ہوتا ہے کہ مؤلف ثقہ اور معتبر ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں تنقید و تنقیح کا التزام نہیں کیا؛ بلکہ ہر رطب و یابس کو جمع کر دیا؛ اس لیے اس کتاب کو اہل علم کے درمیان مرجعیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

خلاصۃ الکیدانی غیر معتبر مسائل کا مجموعہ ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کتاب کا از اول تا آخر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بے شمار مسائل کے احکام ظاہر الروایہ اور فقہ کی معتبر کتابوں کے خلاف بیان کیے گئے ہیں، نمونہ کے طور پر چند مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں:

(۱) اس کتاب میں چند صفحات کے بعد واجب کی تعریف کی گئی ہے:

ما ثبت بدليل فيه شبهة. (خلاصۃ الکیدانی، ق/۱)

واجب وہ چیز ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

اور اس کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ واجب عمل میں فرض کے قائم مقام ہوتا ہے، نہ کہ عقیدہ میں۔

یعنی امر واجب کو بجالانا فرض ہے، اس کو بلا عذر چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے؛ البتہ اس پر ایمان لانا فرض نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی واجب چیز کا انکار کر دے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ (مترجم)

پھر اس کتاب کے دوسرے باب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

من جملة الواجبات لفظ التكبير للتحريم. (خلاصۃ الکیدانی، ق ۱/ب)

تحریمہ کے لیے تکبیر (اللہ اکبر) کہنا واجب ہے۔

یہ بات فقہ کی معتبر کتابوں کے خلاف ہے؛ کیوں کہ تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ تحریمہ کے لیے تکبیر کہنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

یہاں علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ہوا ہے؛ اس لیے کہ کتب فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ تحریمہ کے لیے وہ الفاظ ادا کرنا شرط ہے جن میں خالص اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی کبریائی کا ذکر ہو، جیسے: سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ، اور تحریمہ کے لیے خاص اللہ اکبر کہنا واجب ہے، یہ تفصیل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے؛ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تحریمہ کے لیے تکبیر شرط ہے، اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (حاشیہ، ص:٦٠)

(۲) اس کتاب (خلاصۃ الکیدانی) میں حرام کی تعریف کی گئی ہے:

ماثبت النهي فيه بلا معارض. (خلاصۃ الکیدانی، ق ا/ب)

نہی وہ چیز ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو۔

اور اس کا حکم بیان کیا گیا ہے: اس کا ارتکاب کرنا موجب سزا ہے اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے ارادہ سے چھوڑنا موجب ثواب ہے۔

جن اشیاء کی حرمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جیسے: زنا، قتل وغیرہ، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کی حلت کا قائل ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؛ البتہ جن اشیاء کی حرمت دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں ان کو حلال سمجھنا گناہ کبیرہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے انسان کافر نہیں ہوگا۔

اس کتاب کے پانچویں باب میں محرمات کو بیان کیا گیا ہے اور درج ذیل مسائل کو بھی اسی باب (محرمات) میں ذکر کیا گیا ہے:

(۱) نماز میں بآواز بلند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

(۲) نماز میں دائیں بائیں چہرہ کا کچھ حصہ پھیرنا۔

(۳) نماز میں بلا عذر ستون یا ہاتھ وغیرہ کا سہارا لینا۔

(۴) رکوع اور سجدہ میں انگلیاں اٹھانا۔

(۵) قعدہ اولیٰ میں ایڑیوں پر بیٹھنا۔

(۶) تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا۔

(۷) تکبیر اور ثناء کے بعد کچھ کلمات کا اضافہ کرنا۔

یہ تمام مسائل اکثر؛ بلکہ تمام معتبر فقہی کتابوں کے خلاف ہیں؛ کیوں کہ فقہاء نے مذکورہ مسائل میں سے اکثر کو مکروہات میں شامل کیا ہے اور ان میں سے بعض تو صحیح قول کے مطابق مکروہ بھی نہیں ہے، جیسے نماز میں شہادت والی انگلی سے اشارہ کرنا، دوسری بات یہ کہ حرام کی تعریف (ما ثبت النهى بلا معارض) مذکورہ بالا مسائل میں سے اکثر پر صادق بھی نہیں آتی ہے؛ اس لیے کہ کس حدیث میں آیا ہے کہ انگشت شہادت سے اشارہ کرنا، یا نماز میں بآواز بلند تسمیہ پڑھنا، یا ثناء کے بعد اذکار کا اضافہ کرنا ممنوع ہے؟

اس کتاب (خلاصۃ الکیدانی) میں اور بھی مسائل ہیں جن کے احکام معتبر فقہی کتابوں کے خلاف بیان کیے گئے ہیں۔

اگر کسی کتاب کے مؤلف کے حال کا علم نہ ہو یا مؤلف ثقہ نہ ہو یا مؤلف ثقہ ہو؛ لیکن اس نے اپنی کتاب میں مرجوح مسائل بھی ذکر کر دیا ہے تو ایسی کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کے وہ مسائل لیے جائیں جن کی تائید معتبر فقہی کتابوں سے ہوتی ہے، مسائلِ شاذہ کو بہت غور وفکر اور تحقیق کرنے کے بعد لیا جائے۔

کتب فقہ میں موضوع احادیث بھی ہیں

مَنْ قَضَى صَلَاةً مِنَ الْفَرَائِضِ فِي آخِرِ جُمُعَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كَانَ ذٰلِكَ جَابِرًا لِكُلِّ صَلَاةٍ فَائِتَةٍ فِي عُمُرِهٖ إِلَى سَبْعِينَ سَنَةً. (الاسرار المرفوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ۱ / ۳۵۶)

کسی شخص نے ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اپنی کسی

فرض نماز کی قضا کی تو یہ اس کی زندگی کی تمام فائتہ نمازوں کا کفارہ
بن جائے گی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الموضوعات میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

بَاطِلٌ قَطْعًا. (حوالہ سابق)

یعنی یہ حدیث موضوع ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

ثُمَّ لَا عِبْرَةَ بِنَقْلِ النِّهَايَةِ وَلَا بِبَقِيَّةِ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ فَإِنَّهُمْ لَيْسُوا مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَلَا أَسْنَدُوا الْحَدِيثَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُخَرِّجِينَ. (حوالہ سابق)

صاحب نہایہ اور باقی شارحین ہدایہ کے قول کا اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا ہے اور اپنی کتاب میں اس حدیث کو کسی صاحب تخریج عالم کا حوالہ دیے بغیر ذکر کیا ہے۔

میں (عبدالحی لکھنوی) نے اپنی کتاب ردع الإخوان عما أحدثوه فی آخر جمعة رمضان میں اس موضوع حدیث پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

کسی بڑے عالم کا کسی حدیث کو نقل کر دینا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے

یہاں قارئین کے لیے اس بات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ فقہی کتابیں اگرچہ فی نفسہ فروعی مسائل کے اعتبار سے معتبر ہوتی ہیں اور ان کے مصنفین کا شمار بھی ماہر، باکمال اور ذی علم افراد میں ہوتا ہے؛ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے جو احادیث اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں وہ بھی محدثین کی اصطلاح میں صحیح ہوں، ایسی بہت سی احادیث ہیں جو معتبر کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں؛ لیکن وہ موضوع ہیں، یا ان کی صحت میں محدثین کا اختلاف ہے، جیسے یہ احادیث:

(۱) لسان أهل الجنة العربية والفارسية الدرية.

(۲) من صلى خلف عالم تقي فكأنما صلى خلف نبي.

(۳) علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل وغیرہ۔

ہاں جب اس کتاب کے مصنف کا شمار محدثین میں ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ حدیث اس کی اصطلاح کے اعتبار سے صحیح ہو، اسی طرح جب کوئی مصنف اپنی کتاب میں حوالہ کے ساتھ احادیث کو ذکر کیا ہے تو اس کو قبول کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ احادیث نقل کرنے میں احتیاط برتتا ہو، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع کے لئے خاص گفتگو رکھا ہے، ہر فن کے لیے ماہر اور باکمال افراد کو پیدا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے ہر جماعت کو ایسی خاص فضیلت سے نوازا ہے جو دوسرے میں موجود نہیں ہوتی ہے، کتنے محدثین ہیں جن کا مشغلہ احادیث یاد کرنا اور ان کو طالبان علوم نبوت کے سامنے نقل کرنا تھا؛ لیکن ان میں احادیث سے مسائل مستنبط کرنے اور ان کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی، اسی طرح کتنے فقہائے کرام ہیں جن کو نصوص سے مسائل مستنبط کرنے میں اعلیٰ درجہ کی استعداد و صلاحیت تھی؛ لیکن احادیث نقل کرنے میں مہارت نہیں تھی؛ لہٰذا ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنا اور ان کے مراتب سے واقف ہونا بہت ضروری ہے، میں (عبد الحی لکھنوی) نے اس موضوع کو اپنی کتاب **الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة** میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مختلف فیہ مسائل میں مفتی کس قول کو ترجیح دے

جب فقہاء احناف کا کسی مسئلہ پر اتفاق ہو تو اسی پر فتویٰ دینا واجب ہے، اور اگر کسی مسئلہ میں فقہاء احناف سے اختلاف منقول ہو تو ایک قول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے، اگر آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں کوئی رائے منقول نہ ہو تو بالترتیب ان ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے: امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر اور مام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر ایک طرف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں اور دوسری

طرف صاحبین ہوں تو مجتہد مفتی کو اختیار ہے، چاہے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دے یا صاحبین کے قول پر، اور اگر مفتی مجتہد نہ ہو تو امام صاحب ہی کے قول پر فتویٰ دے، اسی طرح فتاویٰ سراجیہ میں ہے، الحاوی القدسی میں ہے کہ قوت دلیل کو معیار بنایا جائے، یہ حکم اس مفتی کے لیے ہے جس میں اجتہاد کی اہلیت ہو؛ لہٰذا فتاویٰ سراجیہ کی عبارت اور حاوی قدسی کی عبارت میں تعارض نہیں ہے۔

قاضی جمال الدین محمد بن نوح قابسی غزنوی (متوفی:۶۰۰ھ) اپنی کتاب الحاوی القدسی میں لکھتے ہیں:

وَإِذَا لَمْ يُوجَدْ فِي الْحَادِثَةِ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ جَوَابٌ ظَاهِرٌ وَتَكَلَّمَ فِيهِ الْمَشَايِخُ الْمُتَأَخِّرُونَ قَوْلًا وَاحِدًا يُؤْخَذُ بِهِ، فَإِنِ اخْتَلَفُوا يُؤْخَذُ بِقَوْلِ الْأَكْثَرِينَ ثُمَّ الْأَكْثَرِينَ مِمَّا اعْتَمَدَ عَلَيْهِ الْكِبَارُ الْمَعْرُوفُونَ مِنْهُمْ كَأَبِي حَفْصٍ وَأَبِي جَعْفَرٍ وَأَبِي اللَّيْثِ وَالطَّحَاوِيِّ وَغَيْرِهِمْ مِمَّنْ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُمْ جَوَابٌ أَلْبَتَّةَ نَصًّا يَنْظُرُ الْمُفْتِي فِيهَا نَظَرَ تَأَمُّلٍ وَتَدَبُّرٍ وَاجْتِهَادٍ لِيَجِدَ فِيهَا مَا يُقَرِّبُ إِلَى الْخُرُوجِ عَنِ الْعُهْدَةِ وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهَا جُزَافًا. (شامی ۱/۷۱)

جب کسی مسئلہ میں ہمارے ائمہ مجتہدین سے کوئی رائے منقول نہ ہو اور متاخرین فقہائے احناف ایک قول پر متفق ہوجائیں تو فتویٰ اسی قول پر دیا جائے گا، اگر ان میں اختلاف ہوجائے تو جس جانب اکثر باکمال اور ذی علم فقہاء ہیں جیسے: ابوحفص، ابوجعفر، ابواللیث اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کرام رحمہ اللہ علیہم، ان کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، اور اگر اس مسئلہ کے بارے میں

متاخرین مشائخ سے کوئی رائے منقول نہیں ہے تو مفتی اس مسئلہ میں غور وفکر اور اجتہاد کرے؛ تا کہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے، اور بغیر تحقیق کے اس مسئلہ کا حکم ہرگز نہ بتائے۔

غور وفکر کے بغیر فتوی دینا خلاف اجماع ہے

فتاویٰ قاسم ابن قطلو بغا میں فتاویٰ ولوالجیہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

اعْلَمْ أَنَّ مَنْ يَكْتَفِي بِأَنْ يَكُونَ فِي فُتْيَاهُ أَوْ عِلْمِهِ مُوَافِقًا لِقَوْلٍ أَوْ وَجْهٍ فِي الْمَسْأَلَةِ أَوْ يَعْمَلُ بِمَا شَاءَ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْوُجُوهِ مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ فِي التَّرْجِيحِ فَقَدْ جَهِلَ وَخَرَقَ الْإِجْمَاعَ. (مواہب الجلیل ۶/ ۹۱)

یہ بات جان لیجیے کہ جو شخص ترجیح میں غور وفکر نہیں کرتا ہے اور محض اتنی بات پر اکتفا کرتا ہے کہ اس کا فتویٰ یا عمل کسی بھی قول یا کسی بھی وجہ کے مطابق ہو جائے اور وہ مختلف اقوال و وجوہ میں سے جس پر چاہتا ہے عمل کرتا ہے تو وہ نادان ہے اور اجماع کا مخالف ہے۔

مقلد محض اور مقلد ذی نظر

مذکورہ بالا فتاویٰ میں دوسری جگہ یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

الناس بين مقلد محض، ومقلد له الأهلية للنظر، فعلى الأول اتباع ما صححه المشايخ، والثاني له الترجيح والتصحيح، وعليه العمل بما رجح عنده، والإفتاء بما صححه المشايخ؛ لأن المسائل إنما يسأله عما هو المذهب عند أهله.

لوگوں کی دو قسمیں ہیں: بعض تو وہ لوگ ہیں جن میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ از خود نصوص میں غور وفکر کر کے مسائل مستنبط

کریں، ایسے لوگوں کو مقلد محض (نرا مقلد) کہا جاتا ہے، اور بعض وہ لوگ ہیں جو ائمہ متبوعین میں سے کسی کی تقلید کرتے ہیں اور ان میں نصوص سے مسائل مستنبط کرنے کی اہلیت ہوتی ہے۔ پہلی قسم کے لوگ اس قول پر عمل کریں جس کو مشائخ نے صحیح قرار دیا ہے، جہاں تک دوسری قسم کے لوگوں کی بات ہے تو ان کو ترجیح وتصحیح کا اختیار ہے، اور اس قول پر عمل کریں جو دلائل کی روشنی میں ان کے نزدیک راجح ہو؛ لیکن فتویٰ اسی قول پر دینا واجب ہوگا جس کو مشائخ نے صحیح قرار دیا ہے؛ کیوں کہ سائل صاحب مذہب کا قول پوچھتا ہے؛ لہذا اسی کے مطابق جواب دینا ضروری ہوگا۔

ترجیح اقوال کے اصول

درمختار میں قاسم بن قطلو بغا کی کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

فَإِنْ قُلْت: قَدْ يَحْكُونَ أَقْوَالًا بِلَا تَرْجِيحٍ، وَقَدْ يَخْتَلِفُونَ فِي الصَّحِيحِ. قُلْت: يُعْمَلُ بِمِثْلِ مَا عَمِلُوا مِنْ اعْتِبَارِ تَغَيُّرِ الْعُرْفِ وَأَحْوَالِ النَّاسِ، وَمَا هُوَ الْأَوْفَقُ وَمَا ظَهَرَ عَلَيْهِ التَّعَامُلُ وَمَا قَوِيَ وَجْهُهُ وَلَا يَخْلُو الْوُجُودُ عَمَّنْ يُمَيِّزُ هَذَا حَقِيقَةً لَا ظَنًّا، وَعَلَى مَنْ لَمْ يُمَيِّزْ أَنْ يَرْجِعَ لِمَنْ يُمَيِّزُ لِبَرَاءَةِ ذِمَّتِهِ. (شامی ۱/۷۸)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ علماء کبھی ترجیح دیے بغیر اقوال نقل کرتے ہیں اور کبھی ان حضرات میں تصحیح کے سلسلہ میں اختلاف ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مفتی وہی کرے جو علماء کرتے ہیں، یعنی عرف اور لوگوں کے احوال کی تبدیلی کا اعتبار کرے اور اس قول کو لے جس میں لوگوں کے لیے آسانی ہے اور جس پر تعامل جاری ہے اور جس کی دلیل مضبوط ہے اور دنیا کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی جو ان باتوں میں واقعی امتیاز کر سکتے ہیں، محض خود فریبی نہیں اور جو امتیاز نہیں کر سکتا وہ ان لوگوں کی طرف رجوع کرے جو امتیاز کر سکتے ہیں تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔

ظاہر الروایہ کو ضمنی ترجیح حاصل ہے

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق سے تین عبارتیں نقل کی ہیں:

(۱) کتاب الرضاع میں ہے:

الْفَتْوَى إِذَا اخْتَلَفَتْ كَانَ التَّرْجِيحُ لِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ.
(البحر الرائق ۳/۲۳۹)

اگر کسی مسئلہ کا حکم فتاویٰ میں مختلف ہو تو ظاہر الروایہ کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) باب مصرف الزکاۃ میں ہے:

اخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ فَوَجَبَ الْفَحْصُ عَنْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَالرُّجُوعُ إِلَيْهَا. (البحر الرائق ۲/۲۷۰)

جب کسی مسئلہ کی تصحیح میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کو تلاش کرنا ضروری ہے۔

(۳) باب قضاء الفوائت میں ہے:

إِذَا اخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ وَالْفَتْوَى فَالْعَمَلُ بِمَا وَافَقَ

الْمُتُونِ أَوْلَى. (البحر الرائق ۲/ ۹۳)

تصحیح اور فتویٰ میں اختلاف ہونے کی صورت میں اس قول پر عمل کرنا افضل ہے جس کی متون معتبرہ سے تائید ہوتی ہو۔

عبادات کے باب میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول مفتی بہ ہے

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں تیمم کی بحث میں ہے:

قَدْ جَعَلَ الْعُلَمَاءُ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ فِي الْعِبَادَاتِ مُطْلَقًا وَهُوَ الْوَاقِعُ بِالْاِسْتِقْرَاءِ، مَا لَمْ يَكُنْ عَنْهُ رِوَايَةٌ كَقَوْلِ الْمُخَالِفِ كَمَا فِي طَهَارَةِ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلِ وَالتَّيَمُّمِ فَقَطْ عِنْدَ عَدَمِ غَيْرِ نَبِيذِ التَّمْرِ. (ص:۶۶)

علماء نے عبادات میں مطلقا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دینا تجویز کیا ہے، اور جائزہ لینے سے یہی صورت حال سامنے آتی ہے (کہ ہر جگہ آپ ہی کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے) جب تک امام صاحب سے آپ کے مخالف کے قول کے موافق کوئی روایت مروی نہ ہو، جیسے ماء مستعمل کی طہارت میں اور نبیذ تمر کے علاوہ پانی نہ ہونے کی صورت میں صرف تیمم کرنا۔

نوٹ: ماء مستعمل کا حکم ظاہر روایت میں نہیں ہے، اسی وجہ سے کافی جو کتب ظاہر روایت کا مجموعہ ہے صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے اس سے وضو کرنا جائز نہیں اور اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ پاک ہے یا ناپاک، فقہائے عراق نے بھی اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ذکر نہیں کیا، بس یہ کہا کہ ماء مستعمل ہمارے ائمہ کے نزدیک پاک ہے؛ مگر پاک کرنے والا نہیں ہے۔

لیکن دیگر فقہاء نے اختلاف ثابت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ماء مستعمل کے سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں وہ

پاک ہے؛ مگر پاک کرنے والا نہیں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کو لیا ہے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب سے یہی روایت نقل کی ہے، جیسا کہ امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی شرح میں ذکر کیا ہے اور امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہما کی روایت میں ناپاک ہے؛ البتہ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب سے نجاست غلیظہ روایت کرتے ہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نجاست خفیفہ، اور ہر شاگرد نے وہی قول لیا ہے جو اس نے روایت کیا ہے، مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ماء مستعمل میں اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے تو وہ بھی حقیقت میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہے؛ کیوں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔

نبیذ تمر میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایتیں منقول ہیں: پہلی روایت اور وہ امام صاحب کا پہلا قول ہے، یہ ہے کہ اس سے وضو ضروری ہے اور اس کے ساتھ تیمم کرنا مستحب ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ وضو اور تیمم کو جمع کرنا واجب ہے، جیسے گدھے کے جھوٹے کا حکم ہے، اس قول کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے اور صاحب غایۃ البیان نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی کو ترجیح دیا ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ صرف تیمم کرے، نبیذ سے وضو نہ کرے، یہ امام صاحب کا آخری قول ہے، اس کی طرف امام اعظم نے رجوع کیا ہے اور یہی صحیح ہے اور یہی امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور اکثر علماء کا قول ہے اور اسی کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند کیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبیذ تمر میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے تو وہ بھی درحقیقت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول پر فتویٰ ہے؛ کیونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے وہی امام صاحب کا آخری قول ہے۔ (آپ فتویٰ کیسے دیں، مؤلف: حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، ص: ۹۳)

ایک بنیادی اصول

فتح القدیر میں تعدیل الارکان کی بحث میں ہے:

أَنْتَ عَلِمْتَ أَنَّ مُقْتَضَى الدَّلِيلِ فِي كُلٍّ مِنَ الطُّمَأْنِينَةِ

وَالْقَوْمَةِ وَالْجِلْسَةِ الْوُجُوبُ كما قاله الشيخ كمال الدين ابن الهمام رحمه الله، ولا ينبغي أن يعدل ان عن الدراية إذا وافقتها رواية.(۱/۳۰۲)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں طمانیت، قومہ اور جلسہ واجب ہو، جیسا کہ شیخ کمال الدین ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے اور جب درایت کے موافق کوئی روایت بھی ہو تو اس سے عدول کرنا مناسب نہیں ہے۔

باب قضاء میں امام ابوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول مفتی بہ ہے

الاشباہ والنظائر میں قضاء کے تحت یہ عبارت ہے:

الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْقَضَاءِ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ۰(۱/۱۸۷)

قضاء سے متعلق مسائل میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، یہی بات قنیہ اور بزازیہ میں ہے۔

الاشباہ والنظائر کی شرح بیري میں ہے:

إن الفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله أيضاً في الشهادات، وعلى قول زفر رحمه الله في سبعة عشرة مسالة حررتها في رسالة.

(غمز ذوی البصائر لحل مبہمات الاشباہ والنظائر،ق:۱۲۷/ب)

مسائلِ شہادات میں بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، اور ان سترہ مسائل میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا جن کو میں نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

چند فقہی ضوابط

(۱) الْمَسْأَلَةُ إذا لَمْ تُذْكَرْ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَثَبَتَتْ فِي

رِوَايَةٍ أُخْرَى تَعَيَّنَ الْمَصِيرُ إِلَيْهَا. (البحر الرائق ۲/۸۹)

اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایہ میں مذکور نہ ہو اور دوسری روایت میں ہو تو اسی کو لیا جائے گا۔

(۲) اِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ قَوْلَانِ مُصَحَّحَانِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ الْقَضَاءُ وَالْإِفْتَاءُ بِأَحَدِهِمَا كَمَا صَرَّحُوا بِهِ.

(البحر الرائق ۵/۲۱۲)

اگر کسی مسئلہ میں دو قول ہو اور فقہاء نے ان دونوں قول کو صحیح قرار دیا ہو تو ان میں سے کسی ایک قول کے مطابق فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے۔

(۳) المقرر عندنا أنه لا يفتى ولا يعمل إلا بقول الإمام الأعظم، ولا يعدل عنه إلى قولهما، أو قول أحدهما أو غيرهما إلا للضرورة. (الفتاوی الخیریۃ ۲/۳۳)

فقہائے احناف کا یہ اصول ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پر عمل کیا جائے گا اور فتویٰ دیا جائے گا اور صاحبین کے قول کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے قول کو یا دیگر ائمہ کے قول کو ضرورت کے وقت ہی لیا جائے گا۔

إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي

حبیری زادہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرح الاشباہ میں ابن الشحنہ کی شرح ہدایہ کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ وَكَانَ عَلَى خِلَافِ الْمَذْهَبِ عُمِلَ بِالْحَدِيثِ، وَيَكُونُ ذٰلِكَ مَذْهَبَهُ وَلَا يَخْرُجُ مُقَلِّدُهُ عَنْ كَوْنِهِ حَنَفِيًّا بِالْعَمَلِ بِهِ، فَقَدْ صَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا صَحَّ

الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي. (شامی ۱/ ۶۸)

اگر کسی مسئلہ کا حکم صحیح حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا اور یہی امام صاحب کا مذہب ہوگا اور مقلد اس پر عمل کرنے کی صورت میں حنفی ہی رہے گا؛ اس لیے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي." یعنی اگر میرا کوئی قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو رد کر دیا جائے اور اس صحیح حدیث پر عمل کیا جائے۔

ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تزيين العبارة لتحسين الإشارة میں لکھتے ہیں:

وَ قد أغرب الكيداني حَيْثُ قَالَ: الْعَاشِر من الْمُحرمَات: الْإِشَارَة بالسبابة كَأَهل الحَدِيث أَي مثل جمَاعَة يجمعهُمْ الْعلم بِحَدِيث رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَهَذَا مِنْهُ خطأ عَظِيم وجرم جسيم منشأه الْجَهْل بقواعد الْأُصُول ومراتب الْفُرُوع من الْمَنْقُول وَلَوْلَا حسن الظَّن بِهِ وَتَأْوِيل كَلَامه حِينَئِذٍ لَكَانَ كفره صَرِيحًا وارتداده صَحِيحا فَهَل لمُؤْمِن أَن يحرم مَا ثَبت فعله عَنهُ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مِمَّا كَاد نَقله أَن يكون متواترا وَيمْنَع جَوَاز مَا عَلَيْهِ عَامَّة الْعلمَاء كَابِرًا عَن كَابر.

وَالْحَال أَن الإِمَام الْأَعْظَم والهمام الأقدم قَالَ: لَا يحل لأحد أَن يَأْخُذ بقولنَا مَا لم يعلم مأخذه من الْكتاب وَالسّنة وَإِجْمَاع الْأمة وَالْقِيَاس الْجَلِيّ فِي

الْمَسْأَلَة.

فَإِذا عرفت هَذَا فَاعْلَم أَنه لَو لم يكن نَص الإِمَام على المرام لَكَانَ من الْمُتَعَيّن على أَتْبَاعه من الْعلمَاء الْكِرَام أَن يعملوا بِمَا صَحَّ عَنهُ عَلَيْهِ وعَلى آله الصَّلَاة وَالسَّلَام وَكَذَا لَو صَحَّ عَن الإِمَام فرضا نفي الْإِشَارَة وَصَحَّ إِثْبَاتهَا عَن صَاحب الْبشَارَة فَلَا شكّ فِي تَرْجِيح الْمُثبت الْمسند إِلَيْهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَيفَ وَقد وجد نَقله الصَّرِيح بِمَا ثَبت بِالْإِسْنَادِ الصَّحِيح فَمن أنصف وَلم يتعسف عرف أَن هَذَا سَبِيل أهل التدين من السّلف وَالْخلف وَمن عدل عَن ذَلِك فَهُوَ هَالك يُوصف بِالْجَهْلِ المعاند المكابر وَلَو كَانَ عِنْد النَّاس من الأكابر انْتهى.

(ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد ا / ۱۴۷)

صاحب خلاصۃ الکیدانی نے عجیب وغریب اور نا قابل فہم بات بیان کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

دس چیزیں محرمات میں سے ہیں، ان میں سے ایک ہے: قعدہ میں شہادت کی انگلی کا اٹھانا، جیسا کہ اہل حدیث اٹھایا کرتے ہیں، اس طرح اشارہ کرنا حرام ہے، یہاں مصنف سے بڑی اور صریح غلطی سرزد ہوئی ہے اور اس غلطی کی وجہ اصول کے قواعد و ضوابط اور نصوص کی جزئیات سے ناواقف ہونا ہے، اگر صاحب کتاب سے حسن ظن اور اس کی وجہ سے ان کے اس کلام کی تاویل نہ ہوتی تو ان پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا، کیا کسی مؤمن کی یہ

جرءت ہوسکتی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فعل کو حرام قرار دے جو آپ سے بطریق تواتر منقول ہے اور اس چیز کو ناجائز اور ممنوع کہے جس کو ہر دور کے علماء نے جائز کہا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میرے قول کو اس وقت تک نہ لیا جائے جب تک یہ تحقیق نہ ہوجائے کہ میں نے ادلہ اربعہ (قرآن کریم، سنت رسول، اجماع امت اور قیاس) میں سے کس دلیل کی بنیاد پر کہا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اگر میرا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس کو دیوار پر ماردو اور صحیح حدیث پر عمل کرو۔

جب آپ نے ان دونوں اماموں کے قول کو پڑھ لیا تو اب یہ سمجھیں کہ اگر بالفرض صاحب مذہب سے یہ منقول ہو کہ انہوں نے اشارہ بالسبابہ کو ناجائز کہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ انگشت شہادت سے اشارہ کرنا ثابت ہو تو اس صورت میں یقیناً آپ ہی کے عمل کو لیا جائے گا، اور جب صاحب مذہب سے بھی صراحت کے ساتھ انگشت شہادت سے اشارہ کا جائز ہونا منقول ہو تو کیا اس کے جواز میں دو رائے ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو شخص انصاف کی نظر سے دلائل پر غور کرے گا تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہی صحیح قول ہے اسی کو سلف صالحین نے اختیار کیا ہے اور جو اس کا انکار کرے گا وہ بڑا متکبر اور ہٹ دھرم ہے چاہے لوگ اس کو بڑا عالم سمجھیں۔

صاحب خلاصۃ الکیدانی کی دوسری کتاب جو التدھین للتزیین کے نام سے موسوم ہے، میں اشارہ بالسبابہ کی بحث میں یہ عبارت مذکور ہے۔

القائل بأن الفتوى على تلك الإشارة مدع بأنه مجتهد فى المسألة،فمحله إذا وجد عن الإمام روايتان، أو عنه رواية، وعن صاحبيه رواية أخرى، مع أنه يحتاج إلى دليل الترجيح؛ إذلا يقبل ترجيح بلا مرجح، ولا تصحيح بلا مصحح، فلو وجد روايتان فالراجح هو ما وافق الأحاديث المصطفوية، وطابق أقوال جمهور علماء الأمة مع أنه معارض بقول آخر من المشائخ المعتبرين: أن الفتوى على الإشارة، وان لا خلاف فى كونها من السنة. (ص:۴۵)

اشارہ بالسبابہ کو ناجائز کہنے والا اس بات کا مدعی ہے کہ وہ مجتہد فی المسئلہ ہے اور اجتہاد فی المسئلہ کا محل یہ ہے کہ امام صاحب سے دو روایت ہو اور صاحبین سے دوسری روایت ہو تو اس میں مجتہد فی المسئلہ کسی ایک کو دلیل کی بنیاد پر ترجیح دیتا ہے، پھر اس میں ترجیح کی دلیل بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ بغیر مرجح کے ترجیح قبول نہیں اور بغیر مصحح کے کوئی تصحیح قبول نہیں؛ لہٰذا اگر دو روایت ہو تو راجح وہ روایت ہوگی جو احادیث کے موافق اور جمہور کے قول کے مطابق ہو اور مدعی مذکور کا قول معتبر علماء کے قول کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ معتبر علماء کا قول یہ ہے کہ اشارہ کرنا جائز ہے اور اس کے سنت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ترجیح کی بنیاد دلیل پر ہونی چاہیے

الفتاوی السراجیۃ میں ہے:

لَا يَنۡبَغِي لأحد أَن يُفۡتِيِ إِلَّا أَن يعرف أقاويل الۡعلمَاء

وَيعلم من أَيْن قَالُوا وَيعرف معاملات النَّاس فَإِن عرف أقاويل الْعلمَاء وَلم يعرف مذاهبهم فَإِن سُئِلَ عَن مَسْأَلَة يعلم أَن الْعلمَاء الَّذين يتَّخذ مَذْهَبهم قد اتَّفقُوا عَلَيْهَا فَلَا بَأْس بِأَن يَقُول هَذَا جَائِز وَهَذَا لَا يجوز وَيكون قَوْله على سَبِيل الْحِكَايَة وَإِن كَانَت مَسْأَلَة قد اخْتلفُوا فِيهَا فَلَا بَأْس بِأَن يَقُول هَذَا جَائِز فِي قَول فلَان وَفِي قَول فلَان لَا يجوز وَلَيْسَ لَهُ أَن يخْتَار فيجيب بقول بَعضهم مَا لم يعرف حجتهم. (ص:۱۵۶)

ایک مفتی کو کسی مسئلہ کا جواب لکھتے وقت اس مسئلہ کی بابت فقہاء کرام کے اقوال کا مستحضر ہونا ضروری ہے، نیز وہ اس کے مآخذ کی طرف بھی رجوع کرے اور لوگوں کے معاملات سے بھی واقف ہو، اگر اس کو علماء کے اقوال مستحضر ہوں؛ لیکن ان کا مذہب نہیں جانتا ہو، اور اس سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کی بابت جانتا ہے کہ وہ جن علماء کے مذہب کو اختیار کیا ہے ان کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے تو ایسی صورت میں یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ جائز ہے وہ ناجائز ہے، اور اس کا یہ قول برسبیلِ حکایت ہوگا، اور اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے تو جواب میں یہ لکھے کہ فلاں امام نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور فلاں امام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اور اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی ایک قول کے مطابق فتویٰ دے، ہاں جب ان دو اماموں میں سے کسی ایک امام کی دلیل مل جائے تو

اس کے مطابق فتویٰ دے۔

مفتی دنیوی مفاد پیش نظر نہ رکھے

جامع المضمرات میں ہے:

لَا یَجُوزُ لَهُ الْإِفْتَاءُ بِالْقَوْلِ الْمَهْجُورِ لِجَرِّ مَنْفَعَةٍ۔

(البحر الرائق ۶/ ۲۹۲)

مفتی کو یہ قطعا اختیار نہیں ہے وہ جلب منفعت کے لیے مرجوح اقوال پر فتویٰ دے۔

مفتی مصلحت کی رعایت کرے

الاشباہ میں کتاب القضاء کے تحت یہ عبارت ہے:

اَلْمُفْتِي إِنَّمَا يُفْتِي بِمَا يَقَعُ عِنْدَهُ مِنَ الْمَصْلَحَةِ كَمَا فِي مَهْرِ الْبَزَّازِيَّةِ۔ (۳/۳۳۹)

مفتی اس مصلحت کے مطابق فتویٰ دے جو اس کی سمجھ میں آئے، جیسا کہ بزازیہ میں یہ بات مذکور ہے۔

امام حموی رحمۃ اللہ علیہ اس پر یہ نوٹ لکھتے ہیں:

لَعَلَّ الْمُرَادَ بِالْمُفْتِي هُنَا الْمُجْتَهِدُ، أَمَّا الْمُقَلِّدُ فَلَا يُفْتِي إِلَّا بِالصَّحِيحِ سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ لِلْمُسْتَفْتِي أَوْ لَا. وَيَجُوزُ أَنْ يُرَادَ بِهِ الْمُقَلِّدُ إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ قَوْلَانِ صَحِيحَانِ، فَإِنَّهُ مُخَيَّرٌ فِي الْفَتْوَى لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَيَخْتَارُ مَا فِيهِ الْمَصْلَحَةُ۔

(غمز عیون البصائر ۲/ ۳۳۸)

شاید اس سے وہ مفتی مراد ہے جس میں اجتہاد کی اہلیت ہو، جہاں تک مقلد مفتی کی بات ہے تو وہ صحیح قول ہی پر فتویٰ دے گا چاہے

اس میں مستفتی کا فائدہ ہو یا نہ ہو، اور اس سے مقلد مفتی بھی مراد لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین سے دو قول منقول ہو اور ان دونوں قول کو صحیح قرار دیا گیا ہو، تو ایسی صورت میں مقلد مفتی کو اختیار ہے کہ مصلحت کو پیش نظر رکھ کر ان دو قولوں میں سے کسی ایک قول پر فتویٰ دے۔

الاشباہ والنظائر میں یہ مسئلہ بھی نقل کیا گیا ہے:

وَيَتَعَيَّنُ الْإِفْتَاءُ فِي الْوَقْفِ بِالْأَنْفَعِ لَهُ كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَالْحَاوِي. (۳/۳۳۹)

مفتی کو وقف سے متعلق مسائل میں ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن میں لوگوں کا فائدہ وابستہ ہو۔

پانچواں باب

ان فوائد کا بیان جو فقہ حنفی کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے مفید ہیں

(۱) مفہوم مخالف صرف فقہی عبارات میں حجت ہے

الاشباہ والنظائر میں ہے:

لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِالْمَفْهُومِ فِي كَلَامِ النَّاسِ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ كَالْأَدِلَّةِ، وَمَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ مِنْ جَوَازِ الِاحْتِجَاجِ بِهِ فَهُوَ خِلَافُ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ كَمَا فِي الدَّعْوَى مِنَ الظَّهِيرِيَّةِ وَأَمَّا مَفْهُومُ الرِّوَايَةِ فَحُجَّةٌ كَمَا فِي غَايَةِ الْبَيَانِ مِنَ الْحَجِّ.
(۲/۲۳۷)

ظاہر روایت میں مفہوم مخالف سے استدلال لوگوں کے کلام میں جائز نہیں ہے، جس طرح دلائل (نصوص) میں جائز نہیں ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں جو یہ ذکر کیا ہے کہ لوگوں کے کلام میں مفہوم مخالف سے استدلال جائز ہے تو یہ ظاہر مذہب کے خلاف ہے، جیسا کہ ظہیریہ کی کتاب الدعوی میں ہے، جہاں تک فقہی روایات میں مفہوم مخالف سے استدلال کی بات ہے تو وہ حجت اور دلیل شمار ہوگی۔

امام حموی رحمۃ اللہ علیہ الاشباہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

الْمَفْهُومُ حُجَّةٌ عِنْدَنَا فِي الرِّوَايَةِ دُونَ النُّصُوصِ، لِأَنَّ الْمَفْهُومَ فِيهَا لَيْسَ بِمَقْصُودٍ بِخِلَافِ كَلَامِ الْأَصْحَابِ فَإِنَّهُ فِيهِ مَقْصُودٌ فَيَكُونُ حُجَّةً. وَفِيهَا: وَهَذَا هُوَ الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا وَإِنَّهُ قَدْ خَفِيَ عَلَى كَثِيرِينَ فَاحْفَظْهُ وَاحْتَفِظْ بِهِ. كَذَا فِي الزَّهْرِ الْبَادِي عَلَى فُصُولِ الْعِمَادِيِّ مَعْزُوًّا

إِلَى مَوْلَانَا عَبْدِ الْبَرِّ بْنِ الشِّحْنَةِ. (۲/۳۳۷)
ائمہ احناف کے نزدیک فقہی روایات میں مفہوم مخالف حجت ہے، نصوص میں نہیں؛ اس لیے کہ نصوص میں مفہوم مخالف مقصود نہیں ہوتا ہے، برخلاف فقہ اور دیگر فنون میں تصنیف کی گئی کتابیں کہ ان میں مفہوم مخالف مقصود ہوتا ہے، یہی ان دونوں (نصوص، فقہی روایات) کے درمیان فرق ہے، لوگ اس فرق سے واقف نہیں ہیں؛ اس لیے آپ اس کو اچھی طرح محفوظ کرلیں، یہ بات الزہر البادي علی فصول العمادي بھی میں علامہ عبد البر ابن الشحنہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھی گئی ہے۔
جامع الرموز میں ہے:

إن مفهوم المخالفة فى الرواية كمفهوم الموافقة معتبر بلا خلاف، كما ذكره المصنف، أى: صدر الشريعة فى كتاب النكاح؛ أى من شرح الوقاية؛ لكن فى جارة الزاهدى: إنه غير معتبر؛ والحق أنه معتبر إلا أنه أكثرى لا كلى. كما فى حدود النهاية. (۱/۱۵)

فقہی روایات میں مفہوم مخالف ایسے ہی معتبر ہے جیسے مفہوم موافقت، اس میں ائمہ احناف کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح وقایہ میں کتاب النکاح کے تحت ذکر کیا ہے۔
لیکن امام زاہدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاجارہ میں فقہی روایات میں بھی مفہوم مخالف کو غیر معتبر قرار دیا ہے؛ لیکن صحیح بات وہی

ہے جو ہم نے ابھی جامع الرموز کے حوالہ سے بیان کیا ہے؛ لیکن
یہ یاد رہے کہ یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں، جیسا کہ نہایہ کی کتاب
الحدود میں ہے۔

کافی میں کتاب الصلاۃ کے تحت ہے:

التَّخْصِيصُ فِي الرِّوَايَاتِ يَدُلُّ عَلَى نَفْيِ مَاعَدَاهُ. (البحر الرائق ۱/۳۱۸)

فقہی روایات میں کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ اس کے
ماسوا سے حکم کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔

الاشباہ کے حاشیہ میں انفع الوسائل کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے:

مَفْهُومُ التَّصْنِيفِ حُجَّةٌ. (۲/۲۳۷)

علماء کی کتابوں میں مفہوم مخالف حجت ہے۔

(۲) لفظ "قالوا" کا مطلب

لفظ "قالوا" کا استعمال ان مسائل میں ہوتا ہے جن میں مشائخ کا اختلاف ہے، اسی طرح نہایہ کی کتاب الغصب میں ہے اور عنایہ اور بنایہ میں باب مایفسد الصلاۃ کے تحت ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

عَادَتُهُ(صاحب الهداية) فِي مِثْلِهِ إِفَادَةُ الضَّعْفِ مَعَ الْخِلَافِ. (۲/۳۳۰)

صاحب ہدایہ کی عادت یہ ہے کہ وہ "قالوا" کے ذریعہ مرجوح
قول کو بیان کرتے ہیں۔

یہی بات سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حواشی الکشاف میں اس آیت کی تفسیر "حتی یتبین لکم الخیط الأبیض" (البقرۃ، ۱۸۷) میں لکھا ہے کہ لفظ "

قالوا " کے ذریعہ ضعیف قول کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔(۱/ ۱۲۳)

(۳) "ذهب إليه عامة المشايخ" کا مطلب

"ذهب إليه عامة المشايخ " اوراس جیسے جملہ سے اکثر مشائخ مراد ہوتے ہیں۔(فتح القدیر ۱/ ۷۷ ۴)

(۴) لفظ "يجوز" کا مطلب

فقہی کتابوں میں لفظ "يجوز" کبھی "يصح" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی "يحل" کے معنی میں، اس بات کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح مہذب میں ذکر کیا ہے۔(۱/ ۱۲۳) یہی وجہ ہے کہ آپ فقہی کتابوں میں دیکھیں گے کہ فقہاء باب الصلاة المكروهة وغیرہ میں "جاز ذلك" یا "صح ذلك" بولتے ہیں تو ان کی مراد اس سے نفس صحت ہوتی ہے جو بطلان کی ضد ہے اس سے اباحت یا کراہت کی نفی مقصود نہیں ہوتی ہے، اسی وجہ سے زیادہ تر شارحین اور محشی حضرات نے "جاز" اور "صح" کی تفسیر مع الكراهة سے کیا ہے، جیسا کہ وسیع النظر عالم دین پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

منیۃ المصلی کی شرح حلبۃ المحلی میں ہے:

قَدْ يُطْلَقُ(الجواز) وَيُرَادُ بِهِ مَا لَا يَمْتَنِعُ شَرْعًا وَهُوَ يَشْمَلُ الْمُبَاحَ وَالْمَكْرُوهَ وَالْمَنْدُوبَ وَالْوَاجِبَ.

(شامی ۱/ ۱۲۰)

کبھی جائز بول کر وہ چیز مراد لی جاتی ہے جو شریعت کی نظر میں ممنوع نہیں ہے، یہ مباح، مکروہ، مستحب اور واجب کو شامل ہوتا ہے۔

حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۰۶۹) اپنی کتاب العقد الفريد لبيان الراجح من جواز التقليد میں لکھتے ہیں:

أو نقول: "يجوز" بمعنى "يحل" ؛فإنه لا يلزم من النفاذ الحل، فإن الحكم على الغائب نافذ عند شمس

الأئمة، كما ذكره العمادي، وشهادة الفاسق يصح الحكم بها وإن لم يحل. (ق ۱۱/أ)

فقہی عبارات میں کبھی "یجوز، یحل" کے معنی میں آتا ہے؛ کیوں کہ نفاذ حلت کو مستلزم نہیں ہے، چناں چہ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں بھی فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے، جیسا کہ علامہ عمادی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ذکر کیا ہے، اسی طرح فاسق کی گواہی کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنا صحیح ہے گو کہ یہ جائز نہیں ہے۔

(۵) لفظ "لا بأس" اور "ینبغی" کا مطلب

لفظ "لا بأس" کا زیادہ تر استعمال مباح اور ان چیزوں کے لیے ہوتا ہے جن کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ (فتح القدیر)

صاحب ردالمحتار کہتے ہیں:

لفظ "لا بأس" کا استعمال زیادہ تر اگر چہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کو چھوڑ دینا بہتر ہے؛ لیکن کبھی اس کا اطلاق مندوب پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب بحر نے کتاب الجنائز اور کتاب الجهاد میں اس بات کو ذکر کیا ہے۔ (شامی ۱/ ۱۹)

متاخرین فقہاء کی اصطلاح میں لفظ "ینبغی" کا زیادہ تر استعمال مستحب امور میں ہوتا ہے، اور متقدمین فقہاء کی اصطلاح میں یہ لفظ عام ہے حتی کہ اس کا اطلاق واجب پر بھی ہوتا ہے۔ (شامی ۴/ ۱۳)

(۶) مشائخ سے کون مراد ہیں؟

فقہ کی کتابوں میں جہاں "هذا قول المشائخ" آیا ہے اس سے مراد وہ حضرات ہیں جنھوں نے صاحب مذہب کا زمانہ نہیں پایا، یہ بات النہر الفائق کی کتاب الوقف میں

مذکور ہے۔(۳۲۶/۳)

(۷) متقدمین سے کون مراد ہیں؟

فقہائے احناف میں متقدمین وہ حضرات کہلاتے ہیں جنہوں نے ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہم) کا زمانہ پایا ہے اور جن ائمہ نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے وہ متاخرین ہیں۔

عبد النبی احمد نکری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع العلوم میں الخیالات اللطیفۃ کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے:

إن الخلف عند الفقهاء من محمد بن الحسن إلى شمس الأئمة الحلواني، والسلف من أبي حنيفة إلى محمد، والمتأخرون من الحلواني إلى حافظ الدين البخاري.

فقہاء کی اصطلاح میں محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے شمس الائمہ عبد العزیز حلوانی رحمۃ اللہ علیہ تک کے ائمہ کو خلف کہا جاتا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تک کے ائمہ کو سلف کہا جاتا ہے اور شمس الائمہ عبد العزیز حلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے حافظ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک کے فقہاء کو متاخرین کہا جاتا ہے۔

(الفوائد البھیہ، ص: ۴۱۲)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میزان الاعتدال فی اسماء الرجال کے شروع میں لکھتے ہیں:

الحد الفاصل عنده بين المتقدم والمتأخر رأس الثلاثمائة.(۴۹/۴)

حضرت کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تین صدی سے پہلے کے فقہاء کو متقدمین کہا جاتا ہے اور اس کے بعد کے فقہاء کو متاخرین کہا جاتا ہے۔

حضرت عبد النبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جامع العلوم میں الخیالات اللطیفۃ کے

حوالہ سے ابھی جو بات بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ فقہی کتابوں میں متاخرین میں ان فقہاء کو بھی شامل کیا گیا ہے جو شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کے ہیں، جیسے صاحب ہدایہ نے کتاب الصوم میں قضاء المجنون کی بحث میں لکھا ہے: "ھذا بعض المتاخرین" اور صاحب عنایہ نے متاخرین میں ابوعبد اللہ جرجانی، امام رستغفنی اور زاہد رحمۃ اللہ علیہم کا نام ذکر کیا ہے، جبکہ امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی کے فقہاء میں سے ہیں، ان کی وفات ۴۴۸ یا ۴۴۹ یا ۴۵۲ھ میں ہوئی ہے اور ابوعبداللہ بن یحیی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۳۹۷ یا ۳۹۸ھ میں ہوئی ہے امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے اس بات کو ذکر کیا ہے۔ (کتائب اعلام الاخیار ق، ۱۲۸/أ)

اسی طرح امام رستغفنی رحمۃ اللہ علیہ شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کے ہیں؛ کیوں کہ اول الذکر امام کا شمار ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں ہوتا ہے، ان کی وفات ۳۳۳ھ میں ہوئی ہے۔

رستغفنی: اس نام کو ر اور ت کے ضمہ، س اور غ کے جزم اور ف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے، رستغفن سمرقند کے ایک گاؤں کا نام ہے، حضرت اسی گاؤں کے باشندے تھے ان کا اسم گرامی علی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

(۸) متعدد فقہاء کے لیے کتب فقہ میں مستعمل الفاظ

فقہ حنفی میں جب مطلق حسن بولا جاتا ہے تو اس سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں، اور جب کتب تفسیر میں مطلق حسن بولا جاتا ہے تو اس سے مراد حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں، یہ بات صاحب غایۃ البیان نے باب النفقات میں شیخ برہان الدین خریفغنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

فقہ حنفی میں جب مطلق امام بولا جائے تو اس سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور صاحب مذہب سے بھی آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

صاحبین سے مراد امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔

شیخین سے مراد امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔

طرفین سے مراد امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔

امام ثانی سے مراد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام ربانی سے مراد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ائمہ ثلاثہ سے مراد ابوحنیفہ، محمد اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

ائمہ اربعہ سے مراد چار مشہور اصحاب مذاہب: امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

(۹) شمس الائمہ سے کون مراد ہیں؟

فقہ حنفی میں جب مطلق شمس الائمہ بولا جائے تو اس سے مراد شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں، اور ان کے علاوہ جو حضرات اس لقب (شمس الائمہ) کے ساتھ مشہور ہوئے ہیں جب ان کا قول فقہ حنفی میں بیان کیا جاتا ہے تو مقید ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ زرنجری، شمس الائمہ کردری، شمس الائمہ اوزجندی رحمۃ اللہ علیہم، یہ بات طبقات الکفوی میں لکھی ہوئی ہے۔

(۱۰) محیط نامی کتاب کی تحقیق

محمد بن محمد کاشغری رحمۃ اللہ علیہ نے منیۃ المصلي کے مسائل کی جن کتابوں سے تلخیص کی ہے ان میں سے انہوں نے المحیط کا بھی ذکر کیا ہے صاحب حلیۃ المحلی دیباجہ کے تحت لکھتے ہیں:

والظاهر أن المراد ب " المحيط " المحيط البرهاني للإمام برهان الدين صاحب الذخيرة، كما هو المراد من إطلاقه لغير واحد، كصاحب الخلاصة، والنهاية، لا المحيط للإمام رضى الدين السرخسي. وقد ذكر صاحب الطبقات أن هناك أربع مصنفات: المحيط الكبير، وهو نحو من أربعين

مجلدًا، والثاني: عشر مجلدات، والثالث: اربع مجلدات، والرابع: مجلدان.

(المدخل الی دراسۃ المذاہب الفقہیۃ ۱/۱۱۶)

ظاہر ہے کہ المحیط سے صاحب ذخیرہ امام برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کی المحیط البرھانی مراد ہے، جیسا کہ صاحب خلاصہ، صاحب نہایہ اور دیگر فقہاء نے مطلق المحیط سے یہی کتاب مراد لیا ہے، امام رضی الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی المحیط مراد نہیں لیا ہے۔

صاحب طبقات نے چار محیطات کا ذکر کیا ہے:

(۱) المحیط الکبیر، یہ کتاب تقریباً چالیس جلدوں میں ہے۔

(۲) دوسری کتاب دس جلدوں میں ہے۔

(۳) تیسری کتاب چار جلدوں میں ہے۔

(۴) چوتھی کتاب دو جلدوں میں ہے۔

محیطات اور ان کے منصفین کے بارے مزید تفصیلات کے لیے میری کتاب الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۱۱) فتویٰ اور ترجیح کی علامات

خزانۃ الروایات میں مختصر القدوری کی شرح جامع المضمرات کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

أَمَّا الْعَلَامَاتُ لِلْإِفْتَاءِ فَقَوْلُهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَبِهِ يُفْتَى، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ، وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْيَوْمِ وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْأُمَّةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، أَوِ الْأَصَحُّ، أَوِ الْأَظْهَرُ، أَوِ الْأَشْبَهُ، أَوِ الْأَوْجَهُ، أَوِ الْمُخْتَارُ. (شامی ۱/۷۱)

فتویٰ دینے کے لیے علامتیں یہ ہیں:

(۱) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (اسی قول پر فتوی ہے)

(۲) بِهِ يُفْتَى (اسی پر فتوی دیا جاتا ہے)

(۳) بِهِ نَأْخُذُ (ہم اسی کو لیتے ہیں)

(۴) عليه الِاعْتِمَادُ (یہی قول قابل اعتماد ہے)

(۵) عَلَيْهِ عَمَلُ الْيَوْمِ (آج کل اسی پر عمل ہے)

(۶) عَلَيْهِ عَمَلُ الْأُمَّةِ (اسی پر امت کا عمل ہے)

(۷) هُوَ الصَّحِيحُ (یہی صحیح قول ہے)

(۸) هُوالْأَصَحُّ (یہی صحیح تر ہے)

(۹) هُوالْأَظْهَرُ (یہی زیادہ واضح ہے)

(۱۰) هُوالْأَشْبَهُ (یہی صحیح قول سے زیادہ مشابہ ہے)

(۱۱) هُوالْأَوْجَهُ (یہی زیادہ مدلل ہے)

(۱۲) هو الْمُخْتَارُ (یہی پسندیدہ قول ہے)

بزازیہ میں "الأشبه" کا معنی بیان کیا گیا ہے:

الأشبه بالنصوص رواية، والراجح دراية، فيكون عليه الفتوى. (۸/۶)

"الأشبه" کے معنی ہیں: جو روایت میں نصوص کے زیادہ مشابہ ہے، دلیل کے اعتبار سے راجح ہے؛ لہٰذا اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔

طحاوی علی الدر المختار کے حاشیہ میں ہے:

وَبِهِ جَرَى الْعُرْفُ، وَهُوَ الْمُتَعَارَفُ، وَبِهِ أَخَذَ عُلَمَاؤُنَا. (شامی ۱/۷۱)

فتویٰ کی علامات میں سے یہ الفاظ ہیں:

(۱) بِهٖ جَرَى الْعُرْفُ (اس مسئلہ کا حکم عرف کے پیش نظر بیان کیا گیا ہے۔)

(۲) هُوَ الْمُتَعَارَفُ (یہی قول متعارف ہے۔)

(۳) بِهٖ أَخَذَ عُلَمَاؤُنَا (اسی قول کو فقہائے احناف نے لیا ہے۔)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

فَلَفْظُ الْفَتْوَى آكَدُ مِنْ لَفْظِ الصَّحِيحِ، وَالْأَصَحِّ وَالْأَشْبَهِ وَغَيْرِهَا، وَلَفْظُ وَبِهٖ يُفْتَى آكَدُ مِنَ الْفَتْوَى عَلَيْهِ، وَالْأَصَحُّ آكَدُ مِنَ الصَّحِيحِ، وَالْأَحْوَطُ آكَدُ مِنَ الِاحْتِيَاطِ. (درمختار ۱ / ۷۳)

لفظ فتوی: لفظ صحیح، اصح، اشبہ وغیرہ سے زیادہ مؤکد ہے، لفظ بہ یفتی لفظ الفتوی علیہ سے زیادہ مؤکد ہے، لفظ الاصح لفظ صحیح سے زیادہ مؤکد ہے اور لفظ الاحوط احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے۔

غنیۃ المستملی میں ہے:

إِذَا تَعَارَضَ إِمَامَانِ مُعْتَبَرَانِ عَبَّرَ أَحَدُهُمَا بِالصَّحِيحِ وَالْآخَرُ بِالْأَصَحِّ، فَالْأَخْذُ بِالصَّحِيحِ أَوْلَى، لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى أَنَّهُ صَحِيحٌ، وَالْأَخْذُ بِالْمُتَّفَقِ أَوْفَقُ. (شامی ۱ / ۷۳)

جب دو معتبر اماموں میں کسی مسئلہ کی تصحیح میں تعارض ہو جائے، ایک کہے کہ صحیح یہ ہے اور دوسرا کہے اصح یہ ہے تو جو صحیح کہتا ہے اس کا قول لیا جائے؛ کیونکہ ان دونوں اماموں کا مسئلہ کی صحت پر اتفاق ہے اور متفق علیہ قول کو لینا زیادہ بہتر ہے۔

درمختار میں آداب المفتی نامی رسالہ سے درج ذیل عبارت نقل کی گئی ہے:

إِذَا ذُيِّلَتْ رِوَايَةٌ فِي كِتَابٍ يُعْتَمَدُ بِالْأَصَحِّ أَوِ الْأَوْلَى، أَوِ الْأَوْفَقِ أَوْ نَحْوِهَا، فَلَهُ أَنْ يُفْتِيَ بِهَا وَبِمُخَالِفِهَا أَيْضًا أَيًّا

شَاءَ، وَإِذَا ذُيِّلَتْ بِالصَّحِيحِ أَوْ الْمَأْخُوذِ بِهِ، أَوْ وَبِهِ يُفْتَى، أَوْ عَلَيْهِ الْفَتْوَى لَمْ يُفْتِ بِمُخَالِفِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ فِي الْهِدَايَةِ مَثَلًا هُوَ الصَّحِيحُ. وَفِي الْكَافِي بِمُخَالِفِهِ هُوَ الصَّحِيحُ فَيُخَيَّرُ فَيَخْتَارُ الْأَقْوَى عِنْدَهُ وَالْأَلْيَقَ وَالْأَصْلَحَ. (شامی ۱/ ۷۳)

جب کسی معتبر کتاب میں کسی روایت کے آخر میں اصح، اوفق، اولی یا اس کے مانند الفاظ بڑھائے جائیں تو مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس روایت پر فتویٰ دے اور اس کے برخلاف روایت پر بھی فتویٰ دے، دونوں میں سے جس پر چاہے فتویٰ دے سکتا ہے۔ اور جب کسی روایت کے آخر میں صحیح، یا ماخوذ، یا بہ یفتی، یا علیہ الفتوی بڑھایا جائے تو مفتی اس کے برخلاف روایت پر فتویٰ نہیں دے سکتا، مگر جب مثال کے طور پر ہدایہ میں ھوالصحیح ہو اور کافی میں اس کے برخلاف روایت کے لیے ھوالصحیح کہا گیا ہو تو مفتی اپنی دانست میں قوی تر، زیادہ مناسب اور مفید تر قول کو اختیار کرنے کا مجاز ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:

الْأَصَحُّ مُقَابِلٌ لِلصَّحِيحِ، وَهُوَ: أَيْ الصَّحِيحُ مُقَابِلٌ لِلضَّعِيفِ، لَكِنْ فِي حَوَاشِي الْأَشْبَاهِ لِبِيرِيٍّ: يَنْبَغِي أَنْ يُقَيَّدَ ذَلِكَ بِالْغَالِبِ، لِأَنَّا وَجَدْنَا مُقَابِلَ الْأَصَحِّ الرِّوَايَةَ الشَّاذَّةَ كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ. (شامی ۱/ ۷۳)

اصح صحیح کی ضد ہے اور صحیح ضعیف کی ضد ہے؛ لیکن مولانا بیری زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اشباہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ

غالب (اکثر وبیشتر) کی قید ہونی چاہیے؛ کیوں کہ ہمیں کتابوں میں اصح کے مقابلے میں شاذ روایت بھی ملی ہے۔

(۱۲) مجتہد کا صیغۂ خبر بمنزلۂ امر ہے

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إخبار المجتهد يجري مجرى إخبار الشارع في كونه مقتضيا للزوم، بل آكد. كذا في النهاية والكافي.

جب شارع صیغہ خبر کے ذریعہ حکم دے تو وہ حکم بمنزلہ امر ہوگا، جیسے: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ. (البقرۃ، ۱۸۳) اور اس جیسی آیات، اسی طرح جب مجتہد (یا مجتہدین کے قول کو نقل کرنے والے فقہائے کرام) احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی خبر دے تو وہ بھی بمنزلہ امر ہوگا، جیسے فقہاء کا یہ قول: "يطهر بدن المصلي وثوبه" اور اس جیسی عبارتیں۔

(۱۳) کتب فقہ میں مذکور چند ضمائر کی تحقیق

جب فقہی کتابوں میں "ذا الحكم" یا "ذا مذهبه" آئے اور اس کا مرجع سابق میں نہ ہو تو اس سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں؛ اگرچہ آپ کا نام سابق میں نہیں آیا ہو۔

اسی طرح فقہی کتابوں میں "عندهما" آئے اور سابق میں اس کا مرجع نہ ہو تو اس سے مراد صاحبین ہوتے ہیں، اور کبھی اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں، بشرطیکہ سابق میں ائمہ ثلاثہ میں سے کسی امام کا قول ذکر کیا گیا ہو، جیسے: جب فقہاء کہیں: "عند محمد كذا وعندهما" كذا، تو "هما" سے مراد شیخین ہوں گے، اور جب فقہاء کہیں: "عند أبي يوسف كذا وعندهما" كذا، تو "هما" سے مراد طرفین ہوں گے۔

"عنده" اور "عنه" میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر لفظ سے مذہب کو بیان کیا جاتا

ہے اور ثانی الذکر لفظ سے روایت کو بیان کیا جاتا ہے، جیسے جب فقہاء کہیں: "ذا عند أبي حنيفة" تو اس کا مطلب ہے کہ یہ آپ کا مذہب ہے اور جب فقہاء کہیں: "عنه كذا" تو اس مطلب ہے کہ امام صاحب سے مذکورہ مسئلہ میں یہ روایت منقول ہے۔

(۱۴) ظاہر الروایہ کا مطلب

جب فقہی کتابوں میں یہ الفاظ آئیں: ذا في ظاهر الرواية، و ظاهر المذهب، هو موافق لرواية الأصول؛ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل چھ مشہور کتابوں میں مذکور ہے:

(۱) جامع صغیر (۲) جامع کبیر (۳) سیر صغیر

(۴) سیر کبیر (۵) مبسوط (۶) زیادات

یہ بات کشف الظنون اور ردالمحتار میں مذکور ہے۔

عبد المولی بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعالیق الانوار علی الدر المختار میں ذکر کیا ہے کہ بعض فقہاء نے سیر صغیر کو کتب ظاہر الروایہ میں شمار نہیں کیا ہے، امام طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ بعض فقہاء نے سیر صغیر اور سیر کبیر دونوں کو کتب ظاہر الروایہ میں شمار نہیں کیا ہے۔

قاضی زادہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۸۹۸ھ) نتائج الافکار میں لکھتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ رِوَايَةُ الْجَامِعَيْنِ وَالزِّيَادَاتِ وَالْمَبْسُوطِ. وَالْمُرَادُ بِغَيْرِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عِنْدَهُمْ رِوَايَةٌ غَيْرُهَا. (نتائج الافکار ۹ / ۱۰۴)

فقہاء کے اصطلاح میں ظاہر الروایہ سے مراد جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط اور زیادات ہیں، اور غیر ظاہر الروایہ سے مراد ان کے علاوہ کتابیں ہیں۔ صاحب عنایہ کی بھی یہی رائے ہے۔

مفتاح السعادۃ میں ہے:

إنهم يعبرون عن المبسوط والزيادات والجامعين

بروایة الأصول، وعن المبسوط والجامع الصغير والسير الكبير بظاهر الرواية ومشهور الرواية.

(مفتاح السعادۃ ۲/ ۲۳۷)

فقہاء کرام مبسوط، زیادات، جامع صغیر اور جامع کبیر کو روایۃ الاصول سے تعبیر کرتے ہیں اور مبسوط، جامع صغیر اور سیر کبیر کو ظاہر الروایہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۱۵) الاصل سے کونسی کتاب مراد ہے؟

جب فقہاء "هذا الحكم ذكره في الأصل" کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مبسوط ہوتی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب چونکہ پہلے تصنیف فرمائی تھی؛ اس لیے اس کو اصل کہا جاتا ہے، اس کے بعد آپ نے بالترتیب جامع صغیر، جامع کبیر اور زیادات تصنیف فرمائی، یہ بات غایۃ البیان میں مذکور ہے۔

(۱۶) مبسوط کی شروحات

بیری زادہ رحمۃ اللہ علیہ الاشباہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَشَرَحَ الْمَبْسُوطَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ مِثْلُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ بَكْرٌ الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ وَيُسَمَّى الْمَبْسُوطَ الْكَبِيرَ وَشَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ وَغَيْرُهُمَا، وَمَبْسُوطَاتُهُمْ شُرُوحٌ فِي الْحَقِيقَةِ ذَكَرُوهَا مُخْتَلِطَةً بِمَبْسُوطِ مُحَمَّدٍ كَمَا فَعَلَ شُرَّاحُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ مِثْلُ فَخْرِ الْإِسْلَامِ وَقَاضِي خَانْ وَغَيْرِهِمْ، فَيُقَالُ ذَكَرَهُ قَاضِي خَانْ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَالْمُرَادُ شَرْحُهُ وَكَذَا فِي غَيْرِهِ. (شامی ۱/ ۷۵)

متاخرین فقہاء میں بعض حضرات نے مبسوط کی شرح لکھی ہے،

جیسے: شیخ الاسلام المعروف خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کی شرح کو مبسوط کبیر کہا جاتا ہے، شمس الایمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء، ان کی مبسوطات در حقیقت شروحات ہیں، ان فقہاء نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کتاب مبسوط میں جگہ جگہ کچھ مسائل کا اضافہ کیا ہے اور مشکل مقامات کو حل کیا ہے، جیسا کہ جامع صغیر کے شارحین نے کیا، جیسے فخر الاسلام اور قاضی خان رحمۃ اللہ علیہما، جب کہا جاتا ہے: اس مسئلہ کو قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ان کی شرح ہوتی ہے۔

نوٹ: ہدایہ وغیرہ کی شروحات میں جہاں مبسوط مطلق بولا جائے تو علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط مراد ہوتی ہے جو کافی کی شرح ہے، اور کافی حاکم شہید محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۳۳۴ھ) کی تصنیف ہے۔

(۱۷) کیا لفظ "قیل" صیغہ تمریض ہے؟

فقہی کتابوں میں جب کسی مسئلہ کا حکم لفظ "قیل" کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے تو شارحین اور محشی حضرات اس کے تحت لکھ دیتے ہیں: "إشارة إلى ضعفه" یعنی یہ قول ضعیف ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر مصنف نے اس لفظ کے ذریعہ مرجوح اقوال کو بیان کرنے کا التزام کیا ہے تو اس قول کے مرجوح ہونے ہی کا فیصلہ کیا جائے گا، جیسا کہ شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ملتقی الابحر میں اس لفظ کے ذریعہ قول مرجوح بیان کرنے کا التزام کیا ہے، چنانچہ وہ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

فَكُلُّ مَا صَدَّرْته بِلَفْظِ قِيلَ أَوْ قَالُوا وان كَانَ مَقْرُونًا بِالْأَصَحِّ وَنَحْوِه فَإِنَّهُ مَرْجُوحٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى مَا لَيْسَ كَذَلِكَ. (ملتقی الابحر ۱/۷)

ملتقی الابحر میں جن مسائل کو لفظ قِيلَ یا قَالُوا کے ذریعہ بیان

کیا گیا ہے وہ مرجوح اور غیر مفتی بہ ہیں؛ گو کہ اس مسئلہ کی تصحیح لفظ اصح وغیرہ الفاظ سے کی گئی ہو اور اس کے مقابل جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ راجح اور مفتی بہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المسائل البهية الزاكية على الاثنى عشرية میں لکھتے ہیں:

صيغة " قيل " ليس كل ما دخلت عليه يكون ضعيفا.

اگر مسئلہ کو لفظ "قیل" کے ذریعہ بیان کیا جائے تو اس کا مرجوح ہونا ضروری نہیں ہے۔

لہذا جو یہ بات زبان زد ہے کہ قیل اور یقال صیغۂ تمریض ہے، ان سے ضعیف اقوال کو بیان کیا جاتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ کسی مسئلہ کو غیر مرجوح قرار دینے کے لیے اس بات کو مدنظر رکھا جائے گا کہ صاحب کتاب نے ان الفاظ سے مرجوح اقوال بیان کرنے کا التزام کیا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا علم نہ ہو تو سیاق وسباق اور دلائل کی روشنی میں کسی مسئلہ کے مرجوح ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱۸) ابن ابی لیلی سے مراد

فقہی کتابوں میں جب مطلق ابن ابی لیلی بولا جائے تو اس سے مراد محمد بن عبد الرحمن بن یسار الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں، اور جب کتب حدیث میں یہ نام مطلق آئے تو ان کے والد محترم مراد ہوتے ہیں، یہ بات ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الاصول اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے۔

(فائدہ ۲۱)

فقہ یا حدیث کی کتابوں میں جب مطلق ابن عباس آئے تو اس سے مراد صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، جب مطلق ابن مسعود آئے تو اس سے

مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، جب مطلق ابن عمر آئے تو اس سے مراد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، جب مطلق ابن زبیر آئے تو اس سے مراد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، جب کتب حدیث میں آخر سند میں عبداللہ آئے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، بشرطیکہ سابق میں کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو کسی دوسرے راوی کے مراد ہونے پر دلالت کرتا ہو، جب آخر سند میں علی آئے تو اس سے مراد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، جب کتب حدیث میں آخر سند میں عمر آئے تو اس سے مراد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں۔ اس بات کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے الاثمار الجنیۃ اور جمع الوسائل شرح شمائل الترمذی میں اور عینی رحمۃ اللہ علیہ نے البنایۃ میں ذکر کیا ہے۔

(۲۰) اصطلاح عبادلہ کی تحقیق

محدثین کی اصطلاح میں عبادلہ سے مراد عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ہوتے ہیں، اور فقہائے احناف کی اصطلاح میں عبادلہ سے مراد مذکورہ بالا چاروں صحابہ کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں، میں (عبدالحی لکھنوی) نے اس بات کو تفصیل کے ساتھ ہدایہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے، یہ مقدمہ مذیلۃ الدرایۃ کے نام سے موسوم ہے۔ (۹/۱)

عبادلہ عبدل کی جمع ہے، خلاف قیاس عبداللہ کا مخفف ہے، جیسا کہ اس بات کو میرے والد ماجد علامہ عبدالحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے نور الانوار کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ (۱۲/۲)

(۲۱) مطلق لفظ کراہت سے تحریمی مراد ہوتا ہے

فقہائے کرام جب مطلق کراہت بولتے ہیں تو اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے، اس سے کراہت تنزیہی اس وقت مراد ہوگی جب فقہاء اس کی صراحت کریں یا اس پر کوئی دلیل موجود ہو، اس بات کو امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے مصفی میں اور ابن نجیم نے البحر الرائق میں ذکر کیا ہے۔ (البحر الرائق ۱/ ۷ ۱۳)

(۲۲) مطلق لفظ سنت سے سنت مؤکدہ مراد ہوتا ہے

جب سنت مطلق بولا جائے تو اس سے مراد سنت مؤکدہ ہوتا ہے، اسی طرح سنت رسول اور سنت صحابہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے؛ اس بات کو ابراہیم بن صدر الدین اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ (کشف الاسرار ۴/ ۱۸۲)

(۲۳) مطلق عبارات میں بسا اوقات قید ملحوظ ہوتی ہے

فقہاء کرام بہت سی جگہ عبارت کو مطلق ذکر کرتے ہیں؛ لیکن اس میں کوئی قید ملحوظ ہوتی ہے، اور ایسا اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہی شخص فن فقہ میں کمال اور دسترس کے ہونے کا دعوی کرے جس نے اکابر فقہاء کی طرح جاں کاہ محنت کی ہے، یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ یہ علم کثرت مراجعت، فقہاء کی عبارات کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے نیز ان عبقری شخصیات کا شرف تلمذ حاصل ہونی چاہیے جو اس فن میں ید طولی رکھتے ہیں۔

(فائدہ)

کبھی سنت سے مستحب مراد لیا جاتا ہے اور کبھی مستحب سے سنت مراد لیا جاتا ہے اور اس کا فیصلہ قرائن سے کیا جائے گا۔ (البحر الرائق ۱/ ۸۵)

(فائدہ)

اکثر و بیشتر واجب بولا جاتا ہے اور اس سے فرض اور واجب سے عام معنی مراد لیا جاتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے صیام وغیرہ کی بحث میں لکھا ہے، اور کبھی فرض رکن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، چنانچہ فرض سے ایسی شئ مراد لی جاتی ہے جس کے بغیر وہ (شئ) صحیح نہیں ہوتی ہے؛ اگرچہ وہ رکن نہ ہو، جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ فرائض نماز میں سے تحریمہ ہے اور کبھی فرض سے ایسی شئ مراد ہوتی ہے جو نہ فرض ہوتی ہے اور نہ شرط، (جیسے قیام، رکوع اور قعدہ میں ترتیب) یہ بات شرح المنیہ، ردالمحتار اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے (شامی ۱/ ۴۴۲)

(فائدہ)

مطلق خلفاء راشدین سے: ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم مراد ہوتے ہیں۔

(فائدہ)

صحابہ اگر چہ مصدر ہے، لیکن اس کا استعمال ان خوش نصیب مؤمنین کے لیے ہوتا ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور دیدار کا شرف حاصل ہے اور ایمان پر ان کا خاتمہ ہوا۔

(فائدہ)

صدر اول سے پہلی تین صدی کے ائمہ عظام مراد ہوتے ہیں۔

چھٹا باب

وقایہ کے ماتن، شارح اور ان کے آباء واجداد کے حالات

نام ونسب

علامہ عبدالمولی بن عبداللہ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ تعالیق الانوار علی الدر المختار میں شیخ مرتضی حسنی کے حوالہ سے اور علامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ اعلام الاخیار میں لکھتے ہیں:

شارح وقایہ کا نام عبیداللہ ہے اور لقب صدر الشریعۃ الاصغر ہے، والد کا نام مسعود، دادا کا نام محمود اور لقب تاج الشریعہ ہے، علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع الرموز میں اور ملا لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حواشی شرح میں دادا کا نام محمود کے بجائے عمر لکھا ہے، پردادا کا نام احمد ہے، اور لقب صدر الشریعہ الاکبر ہے، احمد یہ وہی عالم ہیں جن کی معروف کتاب الفروق ہے جو کہ التلقیح کے نام سے موسوم ہے۔

پردادا کے باپ کا نام عبیداللہ، لقب جمال الدین اور کنیت ابوالمکارم ہے، اور عبیداللہ جمال الدین کے والد کا نام ابراہیم ہے، آخر میں آپ کا نسب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے، شجرہ نسب یہ ہے:

صدر الشریعہ الاصغر عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ الاکبر احمد بن جمال الدین ابی المکارم عبیداللہ بن ابراہیم احمد بن عبدالملک بن عمیر بن عبدالعزیز بن محمد بن جعفر بن خلف بن ہارون بن محمد بن محمد بن محبوب بن ولید بن عبادۃ بن صامت انصاری محبوبی رضی اللہ عنہ۔

امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ اعلام الاخیار میں لکھتے ہیں:

وهو الإمام المتفق عليه، والعلامة المختلف فيه، حافظ قوانين الشريعة، ملخص مشكلات الفرع والأصل، شيخ الفروع والأصول، عالم المعقول والمنقول، فقيه أصولي، نظار متكلم منطقي، عظيم

القدر جليل المحل، كثير العلم يضرب به المثل، غذى بالعلم والأدب، وارث المجد عن أب فأب، نشأ فى حجر الفضل، ونال العلى، وحمل على أكتاف الفقهاء، كفل به ورباه جده فى صباه، فسعد جده وأنجح جده، حتى صار محرزا قصب السبق فى الفروع والأصول. (کتائب أعلام الاخیار ق ۲۸۷/أ)

شارح وقایہ اپنے وقت کے امام، شریعت مطہرہ کے قوانین کے حافظ، اصول وفروع کے پیچیدہ اور مشکل مباحث کی تلخیص کرنے والے، جامع معقول ومنقول، محدث جلیل، بے مثل فقیہ، علم تفسیر، علم خلاف وجدل، نحو ولغت، ادب وکلام، اور منطق وغیرہ کے تبحر عالم تھے، علم وفن کے آفتاب وماہتاب تھے، ان کی کثرت علم کے ذریعہ مثال دی جاتی تھی، آپ کے خاندان میں نسلا بعد نسل فضل وکمال منتقل ہوتا رہا ہے۔

شارح وقایہ (عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے جد امجد تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ احمد بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا، اور دادا کا علمی سند امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، سند اس طرح ہے:

تاج الشريعة محمود بن صدر الشريعة احمد عن ابيه جمال الدين محبوبى عن الشيخ الامام المفتى امام زاده عن عماد الدين عن ابيه شمس الائمة زنجرى عن شمس الائمة سرخسى عن شمس الائمة حلوانى عن قاضى ابو على نسفى عن ابيه محمد بن الفضل عن سبذمونى عن ابو عبد الله بن ابو حفص الكبير عن

ابیہ عن محمد عن امام اعظم ابو حنیفة۔

شارح وقایہ کی تصانیف

(۱) شارح وقایہ نے اپنے دادا کے علمی مباحث اور تحقیقات کو محفوظ کرنے پر کافی توجہ دی ہے، اور دادا کی تصانیف کو سامنے رکھ کر وقایہ کی شرح لکھی ہے، یہ عمدہ شرح ہے۔

(۲ و ۳) التنقیح ، یہ اصول میں جامع متن ہے، پھر شارح وقایہ نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام توضیح رکھا۔

(۴) المقدمات الاربعۃ۔ (۵) تعدیل العلوم۔ (۶) الشروط۔ (۷) المحاضر۔

آپ کی وفات سنہ ۷۴۷ھ میں ہوئی ہے، آپ کی قبر اسی طرح آپ کے والدین، اولاد اور آباء واجداد کی قبر بخاری میں ہے اور شارح وقایہ کے دادا (تاج الشریعہ) اور نانا (برہان الدین) ان دونوں کی وفات کرمان میں ہوئی ہے اور اسی شہر میں تدفین عمل میں آئی ہے، اس بات کو مدینہ منورہ کے خطیب عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، علامہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ کا نسب قاضی امام فخر الدین المعروف قاضی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

دین اسلام کے محافظ علامہ ابو طاہر محمد بن محمد بن حسن بن علی طاہری رحمۃ اللہ علیہ نے شارح وقایہ (عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ) سے علم فقہ حاصل کیا ہے اور صدر الشریعہ اصغر (شارح وقایہ) نے ان کو شہر بخارا میں سنہ ۷۴۵ھ میں اجازت احادیث بھی عطا فرمائی، اور علامہ ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ سے محمد بن محمد بخاری المعروف خواجہ بارساہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ حاصل کیا ہے اور ان کو سنہ ۷۷۶ھ میں اجازت حدیث بھی دی۔ (کتائب اعلام الاخیار ق ۲۸۷/ب)

امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ الکتیبۃ الثالثۃ عشر میں لکھتے ہیں:

امام تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ احمد بن عبید اللہ جمال الدین محبوبی رحمۃ اللہ علیہ علم فقہ اپنے والد صدر الشریعہ شمس الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، تاج الشریعہ محمود محقق مدقق، متقی و پرہیزگار اور علم وفن کے آفتاب و ماہتاب تھے، آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی اہل علم طبقہ میں خوب پذیرائی ہوئی، ان میں ایک معروف ومقبول کتاب

وقایہ ہے، اس کتاب میں اختصار کے ساتھ ہدایہ، فتاوی اور واقعات کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، صدر الشریعہ شمس الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب دراصل اپنے پوتے صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تصنیف کی ہیں، اور محمود رحمۃ اللہ علیہ (عبید اللہ کے دادا) کی بھی ایک کتاب شرح ہدایہ ہے، یہ شرح علماء کے درمیان مقبول ومتداول ہے۔ (کتائب اعلام الاخیار ق ۱/ ۲۶)

امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ الکتیبۃ الثانیۃ عشر میں لکھتے ہیں:

الشیخ الإمام صدر الشریعة شمس الدین أحمد بن جمال الدین عبیدالله بن إبراهیم بن أحمد المحبوبی أخذ العلم عن أبیه جمال الدین عن الشیخ إمام زاده رکن الإسلام محمد بن أبی بکر الواعظ، صاحب شرعة الإسلام.

امام صدر الشریعہ شمس الدین احمد بن جمال الدین عبید اللہ بن ابراہیم بن احمد محبوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد جمال الدین سے علم حاصل کیا اور علامہ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں امام زادہ رکن الاسلام اور مؤلف شرعۃ الاسلام محمد بن ابوبکر واعظ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

کتائب اعلام الاخیار میں ہے:

کان من کبار العلماء، وبلغ فی حیاة أبیه فی الفقاهة مبلغا کاملا، وله قدرة فی الأصول، وتفقه علی ابنه تاج الشریعة محمود، وله کتاب تلقیح العقول فی الفروق. (ق ۳۳۷/أ)

امام صدر الشریعہ شمس الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کبار علماء میں ہوتا

ہے، آپ اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہی فقاہت کے بلند مقام پر فائز تھے، اور اصول وکلیات پر کافی عبور حاصل تھا، ان کے فرزند علامہ تاج الشریعہ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے علم فقہ حاصل کیا، اوران کی کتابوں میں تلقیح العقول فی الفروق ہے۔

شیخ الاسلام ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمۃ اللہ علیہ العبر باخبار من غبر میں لکھتے ہیں:

توفی عبید الله بن ابراهیم جمال المحبوبی البخاری شیخ الحنفیة بما وراء النهر، واحد من انتهت الیه معرفة المذهب،اخذ عن ابی العلاء عمر بن بکر بن محمد الزرنجری عن ابیه شمس الائمة، وتفقه ایضا علی قاضی خان الاوزجندی، توفی ببخارا فی جمادی الاولی عن اربع وثمانین سنة۔

عبید اللہ بن ابراہیم جمال محبوبی بخاری رحمۃ اللہ علیہ ماوراء النہر کے مفتی اعظم تھے، مذہب کی جزئیات وکلیات پر گہری نظر تھی، آپ نے ابوالعلاء عمر بن بکر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا جنہوں نے اپنے والد ماجد شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کیا، اور عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ وقاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علم فقہ حاصل کیا ہے، آپ کی وفات سنہ ۶۴۸ھ بخاری میں ہوئی ہے۔

میں (عبدالحی لکھنوی) کہتا ہوں: اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(الف) شارح اور ماتن کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے؛ اسی وجہ سے ان کو عبادی کہا جاتا ہے، ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۰۶ھ) جامع الاصول میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عبادہ - بضم العین - ابن الصامت - بکسر المیم -

ابن أصرم - بفتح الهمزة وسكون الصاد المهملة - ابن فهر بن ثعلبة بن غنم - بالفتح - ابن سالم بن عوف بن عمير بن عوف بن الخزرج الأنصاري الخزرجي، كان نقيبا شهد العقبة الأولى، وشهد بدرا والمشاهد كلها، ثم وجهه عمر بن الخطاب رضي الله عنه إلى الشام قاضيا ومعلما، فأقام بحمص، ثم انتقل إلى فلسطين، ومات بها في الرملة في بيت المقدس سنة أربع وثلاثين، وقيل: إنه أقام إلى زمان معاوية رضي الله عنه.

عبادہ- عین کے ضمہ کے ساتھ- بن صامت- میم کے کسرہ کے ساتھ- بن اصرم- ہمزہ کا فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ- بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن عمیر بن عوف بن خزرج انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ، آپ صحابہ کرام میں صف اول میں شمار کیے جاتے ہیں، آپ بیعت عقبہ اولیٰ میں موجود تھے، تمام غزوات بشمول غزوہ بدر میں پیش پیش تھے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو ملک شام کا قاضی اور معلم بنایا، پھر آپ نے حمص میں سکونت اختیار کی، پھر فلسطین چلے گئے اور اسی مقدس سرزمین کے مقام رملہ میں سنہ ۳۴ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، ایک قول یہ ہے کہ آپ فلسطین میں امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک رہے ہیں۔

(ب) تاج الشریعہ اور ان کے آباءواجداد کو محبوبی کہا جاتا ہے، چنانچہ فقہائے احناف ان کی کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں تو کہتے ہیں: في فروق المحبوبي كذا،

قال تاج الشریعۃ المحبوبی فی شرح الهدایۃ کذا؛ دراصل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پوتے کا نام محبوب ہے، انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کے خاندان کو محبوبی کہا جاتا ہے۔

(ج) شارح وقایہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب اور ان کے دادا کے والد (احمد بن جمال الدین محبوبی) کا لقب ایک ہی ہے اور وہ صدر الشریعہ ہے اور دونوں کے درمیان امتیاز کے لیے شارح وقایہ کو صدر الشریعہ اصغر کہا جاتا ہے اور دادا کے والد کو صدر الشریعہ اکبر کہا جاتا ہے۔

(د) شارح وقایہ اور صدر الشریعۃ الاکبر کے والد دونوں کا نام عبید اللہ ہے۔

(ہ) تاج الشریعہ شارح وقایہ کے دادا کا لقب ہے، ان کا نام محمود ہے، یہی وقایہ کے مصنف اور ہدایہ کے شارح ہیں، اور شارح وقایہ کے استاذ ہیں، مؤرخین اور محشی حضرات کا شارح وقایہ اور ان کے دادا کے نسب کے بیان میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، میں (عبد الحی لکھنوی) نے ان کے اختلاف کو مقدمۃ السعایۃ اور فوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ میں نقل کیا ہے اور دلائل کی روشنی میں صحیح قول کی نشاندہی کی ہے۔

ماتن وقایہ اور شارح وقایہ کے نسب میں تسامحات کا ذکر

ارنیقی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینۃ العلوم میں یہ لکھا ہے:

تاج الشریعة هو محمود بن عبيد الله بن محمود المحبوبي، وإنه المؤلف للوقاية وشرح الهداية المسمى بنهاية الكفاية.

تاج الشریعہ کا اسم گرامی محمود ہے اور والد ماجد کا نام عبید اللہ اور دادا کا نام محمود ہے، یہی (تاج الشریعہ) وقایہ کے مصنف اور ہدایہ کے شارح ہیں، وہ شرح نہایۃ الکفایۃ کے نام سے موسوم ہے۔

ابو الحسنات مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب مدینۃ العلوم کی یہ

بات دو وجہ سے صحیح نہیں ہے:

(الف) عبید اللہ محبوبی رحمۃ اللہ علیہ کو تاج الشریعہ کا والد کہا گیا ہے اور درمیان سے صدر الشریعۃ الاکبر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(ب) مذکورہ بالا عبارت میں عبید اللہ کا نام محمود ذکر کیا گیا، جب کہ ان کا نام ابراہیم ہے۔

علامہ علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاثمار الجنیۃ فی طبقات الحنفیۃ میں لکھتے ہیں:

مسعود بن أحمد، العلامة صدر الشريعة الجامع للفضائل الجميلة والشمائل الجليلة. (ق ۵۰/ب)

مکی رحمۃ اللہ علیہ سے اس عبارت میں دو صریح غلطی ہوئی ہے:

(الف) مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مسعود بن احمد کا لقب صدر الشریعہ قرار دیا ہے، جب کہ یہ لقب عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ اور تاج الشریعہ کے والد احمد کا ہے۔

(ب) مسعود کے والد ماجد کا نام احمد نہیں ہے؛ بلکہ ایک قول کے مطابق محمود ہے اور دوسرے قول کے مطابق عمر ہے۔

مصطفی بن عبد اللہ قسطنطینی المعروف حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۰۶۸ھ) اپنی کتاب کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون میں لکھتے ہیں:

تاج الشريعة هو عمر ابن صدر الشريعة الأكبر عبيدالله المحبوبي.

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تاج الشريعة هو محمود بن عبيد الله بن محمود.

(کشف الظنون ۲/ ۲۰۳۴)

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب کشف الظنون سے مذکورہ بالا عبارت میں چار غلطیاں ہوئی ہیں:

(الف) اول الذکر عبارت میں تاج الشریعہ کا نام عمر ذکر کیا گیا ہے اور ثانی

الذکر عبارت میں تاج الشریعہ کا نام محمود ذکر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس میں تعارض ہے۔

(ب) اول الذکر عبارت میں صدر الشریعہ الاکبر عبید اللہ کا لقب قرار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ احمد کا لقب ہے۔

(ج) اول الذکر عبارت میں تاج الشریعہ کے والد صدر الشریعہ الاکبر عبید اللہ کو قرار دیا گیا ہے جب کہ ان کے والد صدر الشریعہ الاکبر احمد بن عبید اللہ ہیں۔

(د) ثانی الذکر عبارت میں کہا گیا ہے کہ عبید اللہ کے والد محمود ہیں، حالانکہ ان کے والد ابراہیم ہیں۔

علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ جو مختصر الوقایہ کے شارح ہیں، انہوں نے صدر الشریعہ الاصغر رحمۃ اللہ علیہ کا نسب اس طرح ذکر کیا ہے:

إنه عبيد الله بن مسعود بن تاج الشريعة عمر بن صدر الشريعة عبيد الله بن محمود بن محمد المحبوبي.

اور صاحب وقایہ رحمۃ اللہ علیہ کا نسب اس طرح ذکر کیا ہے:

إنه محمود بن صدر الشريعة عبيد الله بن محمود بن محمد المحبوبي. (جامع الرموز ۱/۱۰)

علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ بالا عبارت میں تین غلطیاں ہوئی ہیں:

(الف) صدر الشریعہ عبید اللہ کا لقب نہیں ہے؛ بلکہ ان کے فرزند احمد کا لقب ہے۔

(ب) تاج الشریعہ کے والد عبید اللہ نہیں ہیں؛ بلکہ احمد ہیں۔

(ج) عبید اللہ کے والد محمود بن محمد نہیں ہیں؛ بلکہ ابراہیم بن احمد ہیں۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وقایہ کے مصنف کا نام محمود ہے؛ اس لیے کہ ان کے شاگرد رشید اور ان کے کلام کے شارح نے مختصر الوقایہ کے مقدمہ میں اس نام کی صراحت کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

وبعد،فإن العبد المتوسل إلى الله بأقوى الذريعة

عبید اللہ صدر الشریعۃ بن مسعود بن تاج الشریعۃ سعد جدہ، یقول: قد ألف جدی ومولای العالم الربانی، والعالم الصمدانی، برھان الشریعۃ والحق والدین: محمود بن صدر الشریعۃ، جزاہ اللہ عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء؛لأجل حفظی کتاب وقایۃ الروایۃ فی مسائل الھدایۃ. (شرح وقایہ ۱/۴۸)

قوی تر وسیلہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا طالب بندہ یعنی عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ ــ اس کی کوشش بابرکت ہو ــ عرض کرتا ہے کہ میرے دادا جان استاذ العلماء (جن کا لقب) برہان الشریعۃ والحق والدین ہے (اور نام) محمود بن صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، اللہ تعالی ان کو میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے بہترین بدلہ عطا فرمائے؛ اس لیے کہ انہوں نے وقایۃ الروایۃ فی مسائل الہدایۃ میرے یاد کرنے کے واسطے لکھا ہے۔

علماء کا تین امور میں اختلاف ہے:

(الف) محمود رحمۃ اللہ علیہ شارح وقایہ کے جد صحیح (دادا) ہیں یا جد فاسد (نانا)؟

(ب) ہدایہ کے شارح جو تاج الشریعہ ہیں، کیا یہی وقایہ کے مصنف ہیں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا عالم؟

(ج) تاج الشریعہ کا نام محمود ہے یا کوئی دوسرا نام ہے؟

ان تینوں امور میں علماء کرام سے اختلاف منقول ہے؛ البتہ ان کا دو باتوں پر اتفاق ہے:

(الف) ہدایہ کے شارح محبوبی ہی تاج الشریعہ ہیں۔

(د) تاج الشریعہ شارح وقایہ کے دادا کا لقب ہے۔

ابو الحسنات مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات الحنفیہ میں تفصیل سے ماتن وقایہ اور شارح وقایہ کے نسب پر کلام کیا ہے ،اس کا مطالعہ کرنے کے بعد امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاج الشریعہ شارح وقایہ کے دادا ہیں، ان کا نام محمود بن صدر الشریعہ الاکبر احمد ہے، ان کی تصنیفات میں ہدایہ کی شرح، واقعات اور فتاوی ہیں، یہی وقایہ کے مصنف ہیں، جس کو اپنے پوتے صدر الشریعہ الاصغر عبید اللہ کے لیے لکھا تھا۔

صاحب مدینۃ العلوم کی عبارت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وقایہ کے مصنف شارح وقایہ کے دادا اور ان کے استاذ تاج الشریعہ محمود ہیں اور یہی ہدایہ کے شارح ہیں۔

قہستانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح وقایہ کے دادا تاج الشریعہ ہیں، ان کا نام عمر بن صدر الشریعہ احمد ہے، اور وقایہ کے مصنف شارح وقایہ کے نانا ہیں، ان کا نام محمود ہے اور لقب برہان الشریعہ ہے، یہی شارح وقایہ کے استاذ ہیں اور انہی کے لیے وقایہ تصنیف کی تھی۔

علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تائید صاحب کشف الظنون کی عبارت سے ہوتی ہے؛ اس لیے کہ وہ لکھتے ہیں:

> ومن الشروح شرح الشيخ الإمام: تاج الشريعة عمر بن صدر الشريعة الأول(الأكبر) المحبوبي الحنفي، وسماها نهاية الكفاية في دراية الهداية، أوله: نصر من الله وفتح قريب، هو المحمود جل شأنه....الخ، وقال في آخر كتاب الإيمان: أتم تحرير

فوائد کتاب الإیمان أبو عبداللہ عمر بن صدر الشریعۃ فی آخر شعبان سنۃ ثلاث وسبعین وست مأۃ.

فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ہدایہ کی شرح لکھنے والوں میں: تاج الشریعہ عمر بن صدر الشریعہ الاول (اکبر) محبوبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی شرح نہایۃ الکفایۃ فی درایۃ الھدایۃ کے نام سے موسوم ہے، علامہ تاج الشریعہ نے اپنی کتاب کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے:

نصر من اللہ وفتح قریب، ھو المحمود جل شأنہ...الخ

اور کتاب الایمان کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے:

أتم تحریر فوائد کتاب الإیمان أبو عبداللہ عمر بن صدر الشریعۃ فی آخر شعبان سنۃ ثلاث وسبعین وست مأۃ.

اس عبارت سے علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی مکمل تائید ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہدایہ کے شارح عمر بن صدر الشریعہ الاکبر ہیں، نیز مؤرخین اور ہدایہ کے شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ ہدایہ کی شرح (**نہایۃ الکفایۃ فی درایۃ الھدایۃ**) تاج الشریعہ کی ہے؛ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ تاج الشریعہ کا نام عمر ہے۔

ہدایہ کے شارحین کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ تاج الشریعہ صدر الشریعہ الاصغر کے دادا ہیں اور صاحب وقایہ کا نام محمود ہے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہدایہ کے شارح، شارح وقایہ کے دادا نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے نانا ہیں، اور یہ دونوں: شارح وقایہ کے دادا تاج الشریعہ اور نانا برہان الشریعہ آپس میں بھائی ہیں اور صدر الشریعہ الاکبر احمد کے بیٹے ہیں۔

ساتواں باب

وقایہ کے مشہور و معروف
شارحین کے حالات

یہ بات سابق میں بیان کی جا چکی ہے کہ وقایہ کا شمار متون معتبرہ میں ہوتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے اس کتاب کی درس وتدریس پر کافی توجہ دی، اس پر تحقیق وتعلیق کام کیا اور عربی شروحات لکھیں، میں (عبدالحی لکھنوی) نے مقدمۃ السعایہ میں ان شارحین کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ان کے حالات کو قلمبند کیا جاتا ہے۔

(۱) علاء الدین اسود رومی المعروف قرہ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کا نام علی بن عمر ہے اور ان کی تصنیفات میں شرح المغنی، حواشی علی الہدایۃ اور وقایہ کی مکمل شرح دو جلدوں میں ہے، آپ نے وقایہ کی شرح سلطان اورخان بن عثمان خان (متوفی: ۷۶۰ھ) کے دور میں مدرسہ ازنیق میں مدرس ہونے کے زمانہ میں لکھی ہے، آپ کی وفات سنہ ۸۰۰ھ میں ہوئی ہے۔ (کشف الظنون ۲/ ۱۷۴۹)

(۲) مولی عبد اللطیف بن عبدالعزیز بن فرشتہ المعروف ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ، آپ باکمال عالم تھے اور تمام علوم وفنون پر دسترس تھی، آپ نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱) شرح مجمع البحرین (۲) شرح المنار

(۳) شرح مشارق الانوار، یہ کتاب مبارق الازھار کے نام سے موسوم ہے۔

(۴) رسالۃ فی التصوف

(۵) شرح الوقایہ؛ لیکن حضرت نے کسی عذر کی بنا پر اس کی تبییض وتسوید نہیں کی، پھر ان کے فرزند ارجمند محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تبییض کی اور جگہ جگہ حاشیہ بھی لگایا ہے۔

(الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع لشمس الدین السخاوی ۴/ ۳۲۹)

(۳) سید علی توقاتی رومی رحمۃ اللہ علیہ، آپ ملک روم کے توقات علاقہ کے باشندے تھے، آپ اپنے دور میں صف اول کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے، آپ نے وقایہ کی شرح عنایہ کے نام سے لکھی ہے اور زیج کی شرح بھی لکھی ہے، آٹھویں صدی کے اواخر

میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ (الشقائق النعمانیۃ، ص: ۶۳)

(۴) علی المعروف مصنفک بن مجد الدین محمد بن محمد بن مسعود بن محمود بن محمد بن امام فخر الدین بسطامی ہروی رازی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کی پیدائش سنہ ۸۰۳ھ میں ہوئی، تحصیل علم کے لیے ۲۳ / سال کی عمر میں اپنے برادر نسبتی کے ساتھ سفر کیا، آپ کے اساتذہ میں سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد جلال الدین یوسف، عبد العزیز بن احمد ابہری شافعی، فصیح الدین بن محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہم ہیں، آپ نے کم عمری میں ہی تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تھا اسی وجہ آپ مصنفک کے نام سے مشہور ہوئے، عجمی زبان میں کاف تصغیر کے لیے آتا ہے۔ آپ نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں:

(۱) شرح مصباح النحو (۲) شرح آداب البحث

(۳) شرح اللباب (۴) شرح المطول

(۵) شرح شرح التفتازانی للمفتاح (۶) حاشیۃ التلویح

(۷) شرح القصیدۃ البردۃ (۸) شرح قصیدۃ ابن سینا

(۹) شرح وقایہ (۱۰) شرح ہدایہ

آپ نے آخر الذکر دو کتابیں سنہ ۸۳۹ھ کے بعد لکھی ہیں، پھر آپ سنہ ۸۴۰ھ میں ملک روم کا سفر کیا یہاں آپ نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱۱) شرح مصابیح السنۃ (۱۲) شرح شرح السید الجرجانی للمفتاح

(۱۳) حاشیہ شرح المطالع (۱۴) اصول فخر الاسلام کے چند صفحات کی شرح

(۱۵) شرح الکشاف (۱۶) انوار الحدائق

(۱۷) حدائق الایمان (۱۸) تحفۃ السلاطین (۱۹) التحفۃ المحمدیۃ

آخر الذکر چار کتابیں فارسی زبان میں ہیں، آپ نے التحفۃ المحمدیۃ خاص وزیر محمود پاشاہ کے لیے لکھی تھی، انہوں نے صدر الشریعہ کی کتاب شرح وقایہ پر حاشیہ بھی لکھا ہے اور

بھی ان کی کتابیں ہیں، علامہ مصنفک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۸۷۵ھ میں ہوئی ہے۔ (الشقائق النعمانیۃ، ص: ۱۰۰)

میں (عبدالحی لکھنوی) نے الفوائد البھیۃ میں ان کے سوانح حیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے حالات بیان کرنے میں جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا بھی جائزہ لیا ہے۔

(۵) سید سند علامہ مستند المعروف سید شریف جرجانی علی بن محمد بن علی ابوالحسن زین الدین حسینی رحمۃ اللہ علیہ، آپ ماہ شعبان میں سنہ ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں، اور نامور علماء سے علم دین حاصل کیا، جن میں سرفہرست شارح مفتاح علامہ نور طاؤسی، امام مخلص الدین ابوالخیر علی بن قطب الدین رازی، العنایۃ حاشیۃ الھدایہ کے مؤلف اکمل الدین بابرتی، مبارک شاہ منطقی رحمۃ اللہ علیہم ہیں، آپ نے پوری محنت اور لگن سے علوم آلیہ وعالیہ کو نہ صرف پڑھا؛ بلکہ ان میں کمال پیدا کیا، آپ معاصرین میں نمایاں اور اساتذہ کرام کے نور نظر تھے، آپ کی وفات مقام شیراز میں بروز چہارشنبہ ۶ / ربیع الاول سنہ ۸۱۷ھ میں ہوئی ہے، علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات چالیس سے زائد ہیں:

(۱) رسالۃ فی تقسیم الموجود (۲) رسالۃ فی الحرف

(۳) رسالۃ فی الصوت (۴) صغری اور کبری یہ دونوں کتابیں فن منطق میں ہیں۔

(۵) رسالۃ فی مناقب خواجہ نقشبند (۶) رسالۃ فی الوجود والعدم

(۷) رسالۃ فی الآفاق والانفس (۸) رسالۃ فی علم الادوار

(۹) رسالۃ فی الصرف (۱۰) رسالۃ فی النحو

(۱۱) شرح مختصر الابھری یہ کتاب بایساغوجی کے نام سے موسوم ہے۔

(۱۲) حاشیۃ شرح الشمسیۃ القطبی (۱۳) حاشیۃ شرح المطالع

(۱۴) حاشیہ شرح التجوید للاصفہانی (۱۵) شرح ملخص الجغمینی

(۱۶) حاشیۃ شرح مختصر ابن الحاجب (۱۷) حاشیۃ تفسیر البیضاوی

(۱۸) حاشیۃ شرح حکمۃ العین (۱۹) شرح التذکرۃ فی الھیأۃ

(۲۰) شرح الفرائض السراجیۃ (۲۱) شرح الوقایۃ

(۲۲) شرح المواقف (۲۳) شرح المفتاح

(۲۴) شرح الکافیۃ (۲۵) حاشیۃ مشکاۃ المصابیح

(۲۶) حاشیۃ خلاصۃ الطیبی فی علوم الحدیث (۲۷) حاشیۃ العوارف

(۲۸) حاشیۃ الھدایہ (۲۹) حاشیۃ حکمۃ الاشراق

(۳۰) حاشیۃ التحفۃ الشامیۃ (۳۱) حاشیۃ شرح الکافیۃ للرضی

(۳۲) حاشیۃ المتوسط شرح الکفایۃ (۳۳) حاشیۃ العوامل الجرجانیۃ

(۳۴) حاشیۃ رسالۃ الوضع (۳۵) حاشیۃ التلویح اوالتوضیح

(۳۶) حاشیۃ اشکال التاسیس (۳۷) حاشیۃ تحریر اقلیدس

(۳۸) رسالۃ فی المناظرۃ (۳۹) رسالۃ فی تعریفات الاشیاء

(۴۰) حاشیۃ شرح الطوالع (۴۱) حاشیۃ شرح ہدایۃ الحکمۃ

(۴۲) حاشیۃ شرح الکافیۃ لنقرہ کار (۴۳) حاشیۃ شرح شک الاشارات للطوسی

یہ تمام کتابیں مفید علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی پختہ علمی استعداد اوران کی اعلی ذہانت پر دلیل ہیں، ساتھ میں ان کتابوں کی طباعت دلکش ہے، علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معاصر امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ سے کئی مناظرے بھی کیے ہیں، (الضوء اللامع ۵/۳۲۸) میں (عبدالحی لکھنوی) نے ان دونوں کے حالات کو تفصیل سے الفوائد البھیہ میں بیان کیا ہے۔

(۶) محمد بن حسن بن احمد بن ابو یحیی کواکبی حلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۱۹۶ھ) آپ نے وقایہ اور منار کو سلیقہ سے ترتیب دے کر ان کی اچھی شرح لکھی ہے، اسی طرح آپ نے تفسیر بیضاوی اور شرح مواقف پر حاشیہ بھی لگایا ہے۔ (خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادي عشر ۵/۷ ۴۳)

(۷) احمد بن سلیمان بن کمال رومی المعروف ابن کمال رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۴۰ھ)
آپ نے کچھ تغیر وتبدیلی کے ساتھ وقایہ سے مختصر متن لکھی ہے اور اس کا نام الاصلاح رکھا، پھر اس کی الایضاح کے نام سے شرح لکھی، آپ نے ان دونوں کتابوں میں وقایہ کے مصنف اور اس کے شارح کی غلطیوں کو بیان کیا ہے، آپ کی سو سے زائد کتابیں ہیں، جن میں چند یہ ہیں:

(۱) تغییر التنقیح (۲) متن فی الکلام
(۳) متن فی المعانی والبیان (۴) متن فی الفرائض

آپ نے ان چاروں کتابوں کی عربی میں شرح لکھی ہے، نیز آپ نے شرح المفتاح، ہدایہ اور خواجہ زادہ کی تہافت الفلاسفہ پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

میں (عبد الحی لکھنوی) نے ان کی سوانح حیات کو تفصیل سے الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ میں بیان کیا ہے۔

(۸) محمد بن مصلح الدین قوجوی المعروف شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۵۰ھ) آپ کی تصانیف میں شرح وقایہ، شرح مفتاح اور شرح السراجیۃ ہے اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ (الشقائق النعمانیۃ ص: ۲۴۵)

(۹) شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب بن محمد الخطیب بن ابراہیم الخطیب تمر تاشی غزی رحمۃ اللہ علیہ، صاحب محبی ان کے متعلق خلاصۃ الاثر میں لکھتے ہیں:

إنه أخذ العلم ببلدة غزة - بفتح الغين وتشديد الزاى المعجمتين بلد بفلسطين - ثم رَحل الى الْقَاهِرَة فى سنة ثَمَان وَتِسْعين وَتِسْعِمِائَة وتفقه بهَا على الشَّيْخ الامام زين بن نجيم صَاحب الْبَحْر والامام الْكَبِير أَمِين الدّين بن عبد العالى وَأخذ عَن الْمولى على بن الحنائى وغيرهم،وصار إماما كبيرا، مرجع أرباب

الفتوی.(خلاصۃ الاثر ۴/۲۰)

آپ نے غزہ-فلسطین کے ایک شہر کا نام ہے- میں شافعی مفتی اعظم شمس محمد مشرقی غزی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا، سنہ ۹۹۸ھ میں حصول علم کے ارادہ سے قاہرہ کا سفر کیا اور یہاں صاحب البحر الرائق زین الدین بن نجیم مصری، امین الدین بن عبدالعالی، علی بن حنائی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اکابر علماء کے درس میں شریک ہوئے اور پوری محنت اور جد وجہد کے ساتھ فن فقہ میں کمال پیدا کیا، چنانچہ آپ کی محنت رنگ لائی اور وقت کے بڑے امام وفقیہ بن گئے۔

تصانیف

(۱)فن صرف میں ایک رسالہ (۲، ۳)منظومۃ فی التوحید اوراس کی شرح
(۴)ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی زاد الفقیر کی شرح (۵)مختصر المنار کی شرح
(۶)وقایہ کے چند صفحات کی شرح (۷) کنز الدقائق کی باب الایمان تک شرح
(۸)حاشیۃ الدر شرح الغرر باب الحج تک (۹)تحفۃ الاقران
(۱۰،۱۱)منظومۃ فی الفقہ ،مولانا نے اس کی شرح مواہب الرحمن کے نام سے لکھی ہے۔
(۱۲) رسالۃ فی خصائص العشرۃ المبشرۃ (۱۳)رسالۃ فی جواز الاستنابۃ فی الخطبۃ
(۱۴) کتاب مسعف الحکام علی الاحکام (۱۵)رسالۃ فی بیان احکام القراءۃ خلف الامام
(۱۶)رسالۃ فی النفائس فی احکام الکنائس (۱۷)رسالۃ فی عصمۃ الانبیاء
(۱۸)رسالۃ فی دخول الحمام (۱۹)رسالۃ فی التجویز
(۲۰)رسالۃ فی مسح الخفین (۲۱)رسالۃ فی النقود
(۲۲)رسالۃ فی احکام الدرر

علامہ تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ماہ رجب سنہ ۱۰۰۴ھ میں ہوئی ہے، تمرتاش خوارزم کے ایک گاؤں کا نام ہے، اسی گاؤں کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو تمرتاشی کہا جاتا ہے، اس بات کو سید احمد طحطاوی مصری رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۱/ ۱۳)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام تمرتاش تھا اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو تمرتاشی کہا جاتا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نسب اس طرح ذکر کیا ہے:

محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلیل بن تمرتاش۔ (شامی ۱/ ۱۴)

(۱۰) صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مولی محمد رحمۃ اللہ علیہ نے وقایہ کی شرح لکھی ہے، اس بات کو علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں احمد بن عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور مجھے (شامی) ان کی سوانح حیات کتابوں میں نہیں ملی ہے۔ (۱/ ۲۶)

(۱۱) زین الدین جنید بن سندل رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے وقایہ کی شرح توفیق العنایہ کے نام سے لکھی ہے، حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں: ھو شرح مفید•

(۲/ ۲۰۲۱)

(۱۲) علاء الدین علی طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے الاستغناء کے نام سے وقایہ کی شرح لکھی ہے۔

(۱۳) مولی قاسم بن سلیمان نیکندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۷۰ھ) آپ نے وقایہ کی شرح تطبیق کے نام سے لکھی ہے، اور شرح میں ابن کمال رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں۔ (حوالہ سابق)

(۱۴) حسام الدین کوسج رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے وقایہ کی شرح الاستغناء فی الاستیفاء کے نام سے لکھی ہے۔ (حوالہ سابق)

(۱۵) عبدالوہاب بن محمد نیساپوری المعروف ابن خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۶) عزالدین طاہر شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۷) وقایہ کی شروحات میں ایک کتاب کشف الوقایہ ہے، یہ کتاب اسم بامسمی ہے، وقایہ کے مغلق اور پیچیدہ مقامات کو اچھی طرح حل کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب

شرح وقایہ پر حاشیہ لکھنے والوں کی سوانح حیات

(۱) مولی المعروف مصنفک رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر سابق بحث میں کیا جاچکا ہے۔

(۲) یوسف بن جنید المعروف اخ چلبی توقاتی رحمۃ اللہ علیہ، توقات ملک روم کے ایک شہر کا نام ہے اور یہاں کے عرف میں چلبی سیدی (میرا سردار) کے معنی میں بولا جاتا تھا، اس بات کی صراحت شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں حسن چلبی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں کیا ہے۔(۳/ ۱۲۷)

آپ نے صاحب فتاوی بزازیہ کے شاگرد سید احمد قریمی رحمۃ اللہ علیہ، سلطان بایزید خان کے استاذ صلاح الدین اور محمد بن فراموز المعروف مولی خسرو رحمۃ اللہ علیہم سے علم حاصل کیا، مولی خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اعلی صلاحیت واستعداد اور علمی پختگی کی بنا پر اپنے مدرسہ میں تقرر کیا، اس بات کو اعلام الاخیار میں ذکر کیا گیا ہے۔(ق ۳۸۶/ أ) اور صاحب کشف الظنون کی صراحت کے مطابق آپ کی وفات سنہ ۹۰۵ھ میں ہوئی ہے۔
(۲/ ۲۰۲۱)

آپ نے شرح وقایہ پر ذخیرۃ العقبی کے نام سے حاشیہ لکھا ہے، یہ حاشیہ طلبہ واساتذہ کے درمیان معروف ومتداول ہے، اس کتاب کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے:

الحمد للہ الذی شرح صدر الشریعۃ الغراء...الخ

حمد وصلوۃ کے بعد آپ نے اپنے دور کے بادشاہ سلطان بایزید خان بن محمد خان بن مراد خان کا نام ذکر کیا ہے اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے:

ابتدأ فیها سنة احدی وتسعین وثمان مئة، وختمها بختام ذی الحجة من سنة احدی وتسعین وتسع مائة.

شرح وقایہ پر حاشیہ سنہ ۹۹۱ھ میں لکھنا شروع کیا، اس کی تکمیل سنہ ۹۰۱ھ میں کی۔

(۳) حسن چلبی بن شمس الدین محمد شاہ بن شمس الدین محمد بن حمزہ رومی المعروف کسلفہ فناری رحمۃ اللہ علیہ، یہ آپ کے والد ماجد کے دادا لقب ہے؛ اس لیے کہ جب یہ ملک روم میں آئے تو ان کو بطور تحفہ فینار دیا گیا، جب کسی سے ان کے نام کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ ابن الفنری نام بتاتے، چناں چہ آپ لوگوں میں اسی نام سے مشہور ہوئے۔

حسن چلبی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۸۸۶ھ میں ہوئی اور ملا علی طوسی اور ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہما سے علم حاصل کیا، آپ نے علم کلام، عربی ادب اور معقول واصول میں کمال پیدا کیا۔

میں (عبدالحی لکھنوی) کہتا ہوں: اس زمانہ کے اکثر فضلاء اور ماضی قریب کے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ ذخیرۃ العقبی کے مصنف حسن چلبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی کتابیں حاشیۃ التلویح، حاشیۃ المطول اور دیگر کتابیں ہیں، یہ بات غلط ہے؛ اس لیے کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۸۸۶ھ میں ہوئی ہے اور ذخیرۃ العقبی کی تصنیف سنہ ۹۰۱ھ مکمل ہوئی ہے؛ لہٰذا اس کتاب کے مؤلف حسن چلبی رحمۃ اللہ علیہ کیسے ہوسکتے ہیں؟ نیز ذخیرۃ العقبی کے مقدمہ میں یہ عبارت ذکر کی گئی ہے:

إن من جملة معتبرات الفقه شرح الوقاية لصدر الشريعة، وقد تصدى بعض من علماء الزمن نحو حل مغلقاته....الخ

وكتب على قول بعض من علماء الزمن: أعني شيخنا مولانا خسرو، ومولانا حسن جلبي الفناري، ومولانا عرب وغيرهم. (ذخیرۃ العقبی، ص: ۳)

فقہ کی معتبر اور مستند کتابوں میں ایک کتاب صدر الشریعہ کی شرح وقایہ ہے، زمانہ کے بعض علماء نے اس کتاب کے مشکل اور پیچیدہ مقامات کو حل کرنے پر توجہ دی ہے، کسی نے اس کتاب کی عربی شرح لکھی تو کسی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے۔

حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول: " بعض من علماء الزمن"
پر یہ حاشیہ لکھا ہے کہ اس سے مراد شیخ مولانا خسرو، مولانا حسن
جلبی فناری، مولانا عرب رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہیں۔

اس عبارت سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذخیرہ کے مصنف حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں اور جس شخص نے امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبقات الحنفیۃ، الشقائق النعمانیۃ، کشف الظنون اور اس موضوع سے متعلق دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس بات کا ضرور اعتراف کرے گا کہ ذخیرۃ العقبی کے مصنف حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں؛ کیوں کہ مذکورہ بالا کتابوں کے مصنفین نے حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ذخیرۃ العقبی کا ذکر نہیں کیا ہے ؛ بلکہ یوسف جلبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

نیز جس شخص کی اعلی صلاحیت اور علوم اسلامیہ پر گہری نظر ہے وہ ذخیرۃ العقبی اور حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ذخیرۃ العقبی کسی دوسرے عالم کی تصنیف ہے؛ کیوں کہ حسن جلبی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف ٹھوس تحقیقات اور انوکھی وعمدہ تشریحات سے مزین ہیں، اور ذخیرۃ العقبی میں یہ بات نہیں ہے، نیز اس کتاب کے مؤلف اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام بھی نہیں رکھتے تھے۔

(۴) مولی محی الدین محمد المعروف خطیب زادہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے تاج الدین (والد ماجد) علی طوسی خضر بیگ اور اپنے شہر کے نامور علماء سے علم دین حاصل کیا اور قسطنطنیہ کے آٹھ مشہور مدارس میں سے کسی مدرسہ میں مدرس ہو گئے، پھر سلطان محمد خان نے آپ کو اپنا خاص استاذ مقرر کرلیا، آپ کی وفات سنہ ۹۰۱ھ میں ہوئی ہے۔

تصنیفات

(۱) حواشی علی حاشیۃ السید المتعلقۃ بشرح التجرید

(۲) رسالۃ فی بحث الرؤیۃ والکلام

(۳) حواشی علی حاشیۃ الکشاف للسید الذي ذکر آنفا

(۴) حواشی علی حاشیۃ شرح المختصر للسید

(۵) حواشی علی شرح المواقف

(۶) حواشی علی المقدمات الاربع من التوضیح

ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن کا ذکر امہات الکتب میں ملتا ہے، آپ نے شرح وقایہ کے معتد بہ حصہ پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ (الشقائق النعمانیۃ، ص:۹۱)

(۵) محی الدین محمد بن ابراہیم بن حسین نکساری رومی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کو علوم شرعیہ اور فنون عقلیہ پر کافی دسترس حاصل تھی، آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ہے ان میں چند کے نام یہ ہیں: حسام الدین توقاتی، یوسف بالی بن محمد فناری، اور محمد بن ارمغان رحمۃ اللہ علیہم۔

تصنیفات

(۱) تفسیر سورۃ الدخان۔ (۲) حواشی شرح الوقایہ۔ (۳) حواشی علی تفسیر البیضاوی

آپ کی وفات سنہ ۹۰۱ھ میں ہوئی ہے۔ (کتائب اعلام الاخیار ق ۳۸۳/ب)

(۶) یوسف بن حسین کرماسنی رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے خواجہ زادہ رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے زمانہ کے نامور علماء سے علمی استفادہ کیا، فراغت کے بعد آپ نے قسطنطنیہ کے ایک مشہور مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر آپ شہر ادرنہ کے قاضی بنائے گئے، آپ نے حواشی شرح الوقایہ، حواشی المطول اور دیگر کتابیں تصنیف کیں۔ (الشقائق النعمانیۃ، ص:۱۲۷)

(۷) محی الدین احمد بن محمد عجمی رحمۃ اللہ علیہ، آپ باکمال جید الاستعداد عالم تھے، فراغت کے بعد آپ نے قسطنطنیہ کے آٹھ مشہور مدارس میں سے کسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر ادرنہ میں قاضی بنائے گئے، آپ کی تصنیفات میں رسالۃ علی باب الشہید من شرح الوقایہ اور حواشی علی شرح السراجیۃ ہے۔ (اعلام الاخیار ق ۳۸۹/ب)

(۸) مصلح الدین مصطفی بن حسام الدین المعروف حسام زادہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ مولی خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید علاء الدین جمالی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں، آپ کی تصنیفات میں حاشیۃ شرح الوقایہ اور مصنف فی الانشاء ہے۔ (أعلام الاخیار ق ۳۹۲/ب)

(۹) محیی الدین محمد شاہ بن علی بن یوسف بالی بن شمس الدین محمد بن حمزہ فناری رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے اپنے والد ماجد اور خطیب زادہ رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا، فراغت کے بعد بروسا اور قسطنطنیہ میں تدریسی خدمت بحسن وخوبی انجام دی، پھر آپ بالترتیب قسطنطنیہ اور ادرنہ کے قاضی بنائے گئے، اس کے بعد آپ کو صوبہ اناطولی پھر صوبہ روم ایلی میں فوج کی قیادت سونپی گئی، آپ کا انتقال جوانی میں ہی سنہ ۹۲۹ھ ہوگیا، آپ کی تصانیف میں حواشی علی شرح المواقف اور سراجی کی شرح ہے، اسی طرح آپ نے شرح وقایہ کے ابتدائی چند صفحات کی شرح بھی لکھی ہے۔ (الشقائق النعمانیۃ ص:۲۲۹)

(۱۰) سعدی بن ناجی بیگ المعروف ناجی زادہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کی تصانیف میں حواشی علی باب الشھید من شرح الوقایہ اور حواشی شرح المفتاح ہے، آپ کی وفات سنہ ۹۲۲ھ میں ہوئی ہے۔ (کتائب اعلام الاخیار ق ۴۰۲ / أ)

(۱۱) محیی الدین جلبی محمد بن علی بن یوسف بالی فناری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲) سنان الدین یوسف رومی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کو علوم ادبیہ میں کافی مہارت تھی۔

تصنیفات

(۱) علم صرف میں مراح الارواح کی شرح۔ (۲) شرح الشافیہ۔ (۳) شرح ملخص الجغمینی۔ (۴) حواشی شرح الوقایہ (الشقائق النعمانیۃ، ص:۱۲۹)

(۱۳) سنان الدین یوسف شاعر رحمۃ اللہ علیہ، آپ مولی خسرو کے شاگرد ہیں۔

(الشقائق النعمانیۃ، ص:۱۶۸)

(۱۴) مولی احمد خیالی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا شرح عقائد پر حاشیہ ہے جو اہل علم کے درمیان معروف ومتداول ہے، صاحب کشاف نے آپ کا نام شرح وقایہ پر حاشیہ لکھنے والوں میں ذکر کیا ہے۔ (کشف الظنون ۲ /۲۰۲۱) امام کفوی رحمۃ اللہ علیہ اعلام الاخیار میں لکھتے ہیں:

احمد بن موسی المعروف المولی الخیالی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے والد ماجد

قاضی تھے اور ان کے پاس کچھ علوم پڑھی ہیں، پھر مولی خضر بیگ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، یہ اس وقت بروسا کے حاکم کے زیر اہتمام کسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے، اور یہ (احمد خیالی) ان کے معاون دوم مدرس ہو گئے اور پہلے معاون مدرس خواجہ زادہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ کے معاصرین میں مولی مصلح الدین قسطلانی اور مولی علاء الدین عربی رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔

آپ نے بعض مدارس میں تدریسی خدمت بحسن وخوبی انجام دی، پھر مدرسہ فلبہ چلے گئے، یہاں ان کو روزانہ تیس دراہم ملتے تھے، جب مدرسہ ازنیق میں مولی المعروف خطیب زادہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا تاج الدین المعروف ابن الخطیب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو سلطان محمد خان نے وزیر محمود پاشا سے کہا کہ مدرسہ کی انتظامی وتدریسی کے امور کو سنبھالنے کے لیے کسی فعال متحرک باصلاحیت عالم کا تقرر کریں، وزیر کے ذہن میں مولی احمد خیالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آیا؛ لیکن انہوں نے اس نشست میں ان کا نام نہیں لیا؛ بلکہ دوسری نشست میں ان کا نام لیا، سلطان محمد خان نے کہا: کیا یہ وہی عالم ہیں جنہوں نے شرح عقائد پر حاشیہ لکھا ہے؟ وزیر نے کہا: جی یہ وہی عالم ہیں، بادشاہ نے کہا: پھر تو وہ کام کے آدمی ہیں، چناں چہ ان کو مدرسہ سونپ دیا گیا، اور تنخواہ فی یوم ایک سو تیس درہم مقرر کی گئی، مولی احمد خیالی رحمۃ اللہ علیہ حج کی تیاری کرنے کے بعد قسطنطنیہ آئے اور وزیر محمود پاشا کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا؛ لیکن وزیر نے ان کی بات قبول نہیں کی، مولی احمد خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر آپ اپنی وزارت اور بادشاہ اپنی سلطنت مجھے پیش کرے تب بھی میں حج کے لیے جاؤں گا، چنان چہ گئے اور حج کیا، پھر اسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دینے کے ارادہ سے تشریف لائے؛ لیکن آپ دو ہی سال کے بعد صرف ۳۳/ سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (أعلام الاخیار ق ۳۸۲/أ)

مولی احمد خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو عبادت و ریاضت اور علوم شرعیہ کی درس وتدریس کے لیے وقف کر دیا تھا، ہر دن ایک ہی مرتبہ کھانا کھایا کرتے تھے؛ اسی وجہ سے بہت لاغر اور نحیف تھے، لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ آپ اپنا ہاتھ سبابہ اور ابہام کے درمیان داخل کرتے تو وہ کلائی تک پہونچ جاتا۔ (۲) حاشیۃ التجرید کے ابتدائی چند صفحات کی شرح۔

تصانیف

(۱) علامہ تفتازانی کی مشہور کتاب شرح عقائد پر حاشیہ، یہ نہایت ہی مختصر حاشیہ ہے۔

(۲) حاشیۃ التجرید کے ابتدائی چند صفحات کی شرح۔

(۳) شرح نظم العقائد پر حاشیہ، یہ کتاب آپ کے استاذ خضر بیگ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

(أعلام الاخیار رق ۳۸۲/أ)

(۱۷) محمد بن فراموز المعروف مولی خسرو وملا خسرو رومی رحمۃ اللہ علیہ آپ متبحر عالم تھے، اصول وفروع پر گہری نظر تھی، آپ نے سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا، فراغت کے بعد کسی مشہور مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر فوج کے امیر بنائے گئے، آپ کے والد ماجد کا شمار فرسخہ کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا، نسلاً رومی تھے، اللہ نے ان کو قبول اسلام کی توفیق دی، ان کی اکلوتی صاحبزادی تھی، اس کا نکاح خسرو نامی امیر شخص سے کیا اور ان کے صاحبزادے محمد ان کی پرورش میں تھے، چنانچہ یہ اخ زوجۃ خسرو پھر مولی خسرو کے نام سے مشہور ہوئے، پھر ان کو خسرو کہا جانے لگا، آپ کی وفات سنہ ۸۸۵ھ میں قسطنطنیہ میں ہوئی ہے۔

تصنیفات

(۱) الغرر فی الفقہ اور اس کی شرح بھی درر کے نام سے لکھی۔

(۲) حواشی التلویح (۳) حواشی المطول

مرقاۃ الوصول اور اس کی شرح مرآۃ الاصول کے نام سے لکھی۔

(الضوء اللامع ۸/۲۷۹)

(۱۸) مولی محمد بن محمد المعروف عرب زادہ رومی رحمۃ اللہ علیہ، آپ اپنے زمانہ میں عبقری اور یگانہ روزگار علماء میں شمار کیے جاتے تھے، بڑے محقق و مدقق تھے، آپ نے مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی، جیسے محمود پاشا کا مدرسہ، مدرسہ سلیمانیہ وغیرہ، پھر آپ کو قاہرہ کا قاضی بنایا گیا، اس عہدہ پر تادم زیست فائز رہے، آپ کسی جگہ جانے کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوئے، سوء اتفاق سے اس وقت دریا میں بڑی طغیانی تھی، موجیں باہم ٹکرا رہی تھیں، جس کے نتیجہ میں کشتی ڈوب گئی، یہ واقعہ سنہ ۶۶۹ھ میں پیش آیا، اس وقت آپ کی عمر صرف پچاس سال تھی۔

تصنیفات

(۱) حاشیۃ علی شرح الوقایۃ (۲) حاشیۃ علی الہدایۃ
(۳) حاشیۃ علی العنایۃ (۴) حاشیۃ علی فتح القدیر
(۵) حاشیۃ علی شرح المفتاح (۶) حاشیۃ علی المطول (العقد المنظوم، ص: ۳۴۹)

(۱۹) مولی تاج الدین ابراہیم بن عبید اللہ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ، (متوفی: ۹۷۳ھ)

حمید ایک شہر کا نام ہے، آپ قسطنطنیہ تشریف لائے، اور اسی کی خاک کا پیوند ہوئے، یہاں آپ کے فضل و کمال کے جوہر کھلے اور چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علوم نے اپنی پیاس بجھائی، آپ نے شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے اور جگہ جگہ ابن کمال رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں، فن صرف میں آپ کی کتاب شرح المراح ہے اسی طرح آپ نے سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح المفتاح کے مشکل مقامات پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

(خلاصۃ الاثر ۲ / ۱۲۸)

(۲۰) مولی صالح بن جلال رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۷۳ھ) علی بن بالی رحمۃ اللہ علیہ العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم میں آپ کی سوانح حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

كَانَ ابوه من كبار زمرة الْقُضَاة الْحَاكِمين فِي القصبات ونشا رَحمَه الله مشتغلا بِالْعلمِ وأربابه

ومعجبا بِالْفَضْلِ واصحابه فاهتم فِي التَّحْصِيل وَرغب فِي التَّكْمِيل وَقد تشرف بمجالس السادات وَكَانَ مِنْهُ مَا كَانَ حَتَّى صَار ملازما من الْمولى خير الدّين معلم السُّلْطَان سُلَيْمَان. (الشقائق النعمانیۃ ۱/۳۶۸)

مولی صالح رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا شمار بڑے قاضیوں میں ہوتا تھا، آپ کو بچپن ہی سے علم اور اہل علم سے محبت وفریفتگی اور اصحاب فضل وکمال سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ آپ نے حصول علم پر توجہ دی، علماء اور معززترین حضرات کی مجلسوں میں پابندی سے بیٹھتے، اور ان کی قیمتی نصائح مستفید ہوتے، آپ اپنے اخلاق وعادات اور صفات حمیدہ کی وجہ سے نہ صرف ان کے نورنظر؛ بلکہ بادشاہ سلیمان کے جلیل القدر استاذ علامہ خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص ہوگئے۔

آپ نے فراغت کے بعد مختلف دینی اداروں میں مسند درس کو زینت بخشی جیسے: مدرسہ مراد پاشا، مدرسہ محمود پاشاہ، مدرسہ سراجیہ وغیرہ، بادشاہ سلیمان نے آپ کو بعض فارسی کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا، جس کو آپ نے بڑی عرق ریزی سے چند ہی سالوں میں مکمل کیا، اور بادشاہ نے بطور انعام آپ کو سلطان بایزید خان کا مدرسہ دیا، آپ حلب کے قاضی بھی بنائے گئے؛ لیکن چند سالوں کے بعد آپ کو اس عہدہ سے ترقی دے کر قاہرہ کا انسپکٹر بنایا گیا، یہاں آپ کے حسن انتظام اور مفوضہ امور کو پوری مستعدی کے ساتھ انجام دینے کی وجہ سے خوشگوار اور اچھے اثرات مرتب ہوئے، پھر آپ بالترتیب دمشق اور مصر میں قضا کے عہدہ پر متمکن ہوئے، اس کے بعد آپ کو سودراہم پر مدرسہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری سونپی گئی؛ لیکن کچھ ہی مہینوں کے بعد آپ کی بینائی جاتی رہی اور آپ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں سبکدوش ہوگئے۔

تصانیف

(۱) حاشیہ علی شرح المواقف　(۲) حاشیۃ علی شرح الوقایہ

(۳) حاشیۃ علی شرح المفتاح للجرجانی (۴) دیوان شعر بالترکی (العقد المنظوم، ص:۳۷)

(۲۱) مصلح الدین قوجی المعروف شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر سابق بحث میں کیا جا چکا ہے۔

(۲۲) حسام الدین حسین بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۹۲۶ھ) آپ نے عبد الرحمن المعروف مؤید زادہ اور خواجہ زادہ رحمۃ اللہ علیہما سے علم حاصل کیا، فراغت کے بعد بروسا اور قسطنطنیہ کے آٹھ مشہور مدارس میں سے کسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی، ادرنہ اور بروسا کے قاضی بھی بنائے گئے۔

تصانیف

(۱) حاشیۃ علی اوائل شرح التجرید رسالۃ (۲) حاشیۃ علی شرح الوقایہ

(۳) رسالۃ فی استخلاف الخطیب

(۴) رسالۃ فی جواز الذکر الجہری (الشقائق النعمانیۃ، ص:۲۳۱)

(۲۳) مصطفی بن خلیل رحمۃ اللہ علیہ، (الشقائق النعمانیۃ کے مصنف کے والد ماجد) آپ نے اپنے والد اور ماموں محمد بن ابراہیم نکساری، درویش بن محمد، مولی علی عربی اور خواجہ زادہ رحمۃ اللہ علیہم سے علم حاصل کیا، فراغت کے بعد بروسا اور قسطنطنیہ میں تدریسی خدمت انجام دی، آپ کی ولادت طاشکبری میں سنہ ۸۵۷ھ اور وفات سنہ ۹۳۵ھ میں ہوئی۔

تصانیف

(۱) رسالۃ متعلقۃ بعلم الفرائض　(۲) رسالۃ فی حل حدیثي الابتداء

(۳) رسالۃ علی بعض المواضع من تفسیر البیضاوی

(۴) حاشیۃ علی شرح الوقایہ (الشقائق النعمانیۃ، ص:۲۳۳)

(۲۴) مولی شمس الدین احمد بن مولی بدر الدین المعروف قاضی زادہ رومی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۹۸۸ھ) آپ نے اپنے زمانہ کے نوابغ روزگار اور عبقری شخصیات سے علم دین

حاصل کیا، جیسے: مولی محمد المعروف جوی زادہ تفسیر بیضاوی کے محشی مولی سعدی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ، فراغت کے بعد آپ نے قسطنطنیہ بروسا اور دیگر مدارس میں تادم زیست درس وتدریس اور فتوی کے فرائض انجام دیا، حلب کے قاضی اور روم ایلی کے افواج کے امیر بھی بنائے گئے۔

تصانیف

(۱) حاشیۃ علی شرح الوقایہ من کتاب الوکالۃ الی الآخر (یہ کتاب تکملہ فتح القدیر کے نام سے مشہور ہے۔) (۲) حاشیۃ علی شرح المفتاح (۳) حاشیۃ علی اوائل شرح الوقایۃ۔ (۴) حاشیۃ علی التجرید اور درجنوں رسائل آپ نے مختلف موضوعات پر لکھی ہیں۔ (العقد المنظوم فی ذکر أفاضل الروم، ص:۹۹۶)

(۲۵) شیخ الاسلام احمد بن یحیی بن محمد بن سعد الدین تفتازانی مسعود بن عمر رحمۃ اللہ علیہ، میں (عبدالحی لکھنوی) نے حاشیہ کا مطالعہ کیا ہے، آپ نے آخر میں یہ عبارت ذکر کی ہے:

> إنه فرغ من تاليفها شرح الوقاية فی ربيع الأول من شهور سنة تسع مأة. وهو من تلامذة الياس زاده رحمه الله شارح مختصر الوقاية. كما أفصح عنه فی بحث الوضوء. (عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایۃ ۱ / ۱۲۳)
>
> بحمد اللہ ماہ ربیع الاول سنہ ۹۰۰ھ میں شرح وقایہ پر حاشیہ کی تکمیل ہوئی، شارح مختصر الوقایہ الیاس زادہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں ہیں، جیسا کہ انہوں نے وضو کی بحث میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

آپ کی تصانیف میں شرح التہذیب، حواشی التلویح، شرح السراجیۃ اور دیگر اہم کتابیں ہیں۔

آپ کے والد ماجد قطب الدین یحیی رحمۃ اللہ علیہ مرزا شاہ رخ بن تیمور کے آخری دور

سے بادشاہ حسین کے دور تک شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز رہے ہیں، جب یہ ۲۴/ذی الحجہ سنہ ۸۸۷ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو ان کے تمام عہدے آپ (احمد رحمۃ اللہ علیہ) کو دیے گئے۔

آپ نے شہر خراسان میں تقریباً تیس سال قیام کیا، یہاں آپ نے کسی معروف ادارہ میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد کے فرائض انجام دیے، سنہ ۹۱۶ھ میں لوگوں نے اس عظیم علمی شخصیت کو نم آنکھوں کے ساتھ سپرد خاک کیا، اللہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (کشف الظنون ۲/۲۰۲۲)

میں (عبدالحیؒ) نے ان کی سوانح حیات اسی طرح ان کے والد ماجد اور ان کے دادا کے والد سعد تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کو الفوائد البھیۃ اور التعلیقات السنیۃ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۲۶) مولی عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کی کتابیں اہل علم کے درمیان معروف ومتداول ہیں، جن میں چند یہ ہیں:

(۱) حاشیۃ علی شرح العقائد النسفیۃ (۲) حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی

(۳) شرح تلخیص المعانی، یہ کتاب الاطول کے نام سے موسوم ہے۔

آپ کی وفات صاحب کشف الظنون کے قول کے مطابق سنہ ۹۴۴ھ میں ہوئی ہے۔(۲/۲۰۲۲)

(۲۷) قطب الدین مرزی پونی رومی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۹۳۵ھ) آپ نے ازنیق اور قسطنطنیہ کے مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی ہے۔ (الشقائق النعمانیۃ، ص:۲۸۶)

(۲۸) حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۰۱۰ھ) آپ نے ادرنہ وغیرہ کے مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی، آپ کی تصانیف مقبول تھیں اور ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

(خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر ۱/۵۰۱)

(۲۹) محیی الدین محمد قراباغی رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے اپنے شہر کے علماء سے ابتدائی تعلیم

حاصل کی، پھر حصول علم کے ارادہ سے ملک روم کا سفر کیا، یہاں آپ نے شارح شرعۃ الاسلام مولانا یعقوب بن سید علی رحمۃ اللہ علیہ سے اہم کتابیں پڑھیں، اور شہر ازنیق کے کسی معروف مدرسہ میں مدۃ العمر تدریسی خدمت انجام دی، اور سنہ ۹۴۳ھ میں اسی کی خاک کا پیوند ہوئے۔

تصانیف

(۱) حاشیۃ علی الکشاف (۲) حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی

(۳) حاشیۃ علی التلویح ح (۴) حاشیۃ علی الہدایہ

(۳) حاشیۃ علی شرح الوقایۃ، ان کے علاوہ اور بھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

(الشقائق النعمانیۃ، ص:۲۷۲)

(۳۰) قاضی شمس الدین احمد بن حمزہ المعروف عرب جلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۵۰ھ) آپ نے ابتدائی تعلیم موسیٰ جلبی وغیرہ علماء سے حاصل کی، اس کے بعد قاہرہ کا سفر کیا اور یہاں کے نامور شخصیات سے کتب احادیث پڑھیں، فراغت کے بعد آپ ملک روم آئے اور یہاں تادم حیات درس وتدریس تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد میں مصروف رہے۔ (الشقائق النعمانیۃ، ص:۲۸۸)

(۳۱) مفتی زکریا بن بیرام رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۰۱۰ھ) آپ اصلاً انقرہ کے باشندے ہیں، حصول علم کے ارادہ سے قسطنطنیہ آئے، یہاں علامہ عرب زادہ باقی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کیا، فراغت کے بعد حلب وغیرہ میں قضا کے عہدہ پر متمکن ہوئے، آپ کی تصانیف میں حاشیہ علی شرح العنایۃ اور حاشیہ علی شرح الوقایۃ ہیں۔ (خلاصۃ الاثر ۲/ ۱۷۳)

(۳۲) مولی محیی الدین محمد بن خطیب قاسم رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳۳) محمد بن بیر علی برکلی رحمۃ اللہ علیہ، (متوفی: ۹۸۱ھ) قصبہ برکل کے باشندے تھے، آپ کی تصانیف میں الطریقۃ المحمدیۃ اور دیگر کتابیں ہیں، اس بات کو عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ میں ذکر کیا ہے۔ (۱/ ۳)

(۳۴) سلیمان بن علی قرمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۲۴ھ) (کشف الظنون ۲/ ۲۰۲۳)

(۳۵) محمد بن ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ ((متوفی: ۹۷۱ھ)

(۳۶) مولی علم شاہ بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۸۷ھ)

(۳۷) مولی طورسون بن مراد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۶۶ھ)

(۳۸) مولی خسرو رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۶۸ھ) آپ علامہ کرسانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔

(۳۹) فاضل بالی پاشا بن محمد المعروف مولا نایکان رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴۰) شرف الدین یحیی بن قرہ جاہ رہاوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴۱) شیخ یحیی بن بخشی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کی وفات سنہ ۱۰۰۰ھ کے ابتدائی سالوں میں ہوئی ہے۔

(۴۲) عبداللہ بن صدیق بن عمر ہروی رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے، حاشیہ کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے:

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين...الخ حاشیہ میں اہم علمی مباحث ہیں، اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ محمد عوض وجیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فاضل محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف: سلم العلوم، مسلم الثبوت) کے معاصرین میں ہیں۔

(۴۳) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ، غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں لکھتے ہیں:

شیخ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۹۱۱ھ اور وفات بروز اتوار ۲۹/ صفر سنہ ۹۸۹ھ میں ہوئی ہے، آپ نے مختلف فنون میں کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حاشیۃ تفسیر البیضاوی　　(۲) حاشیۃ شرح المختصر العضدی
(۳) حاشیۃ التلویح　　(۴) حاشیۃ اصول البزدوی

(۵) حاشیۃ الهدایہ　　(۶) حاشیۃ شرح الوقایہ

(۷) حاشیۃ المطول　　(۸) حاشیۃ المختصر

(۹) امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح التجرید پر حاشیہ

(۱۰) علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح عقائد پر حاشیہ

(۱۱) امام دوانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب القدیمۃ پر حاشیہ

(۱۲) حاشیۃ شرح المواقف　　(۱۳) حاشیۃ شرح حکمۃ العین

(۱۴) حاشیۃ شرح المقاصد　　(۱۵) حاشیۃ القطبی

(۱۶) حاشیۃ شرح ملخص الجغمینی (۱۷) شرح التحفۃ الشاھیۃ

(۱۷) علم ہیئت میں شرح رسالۃ القوشجی

(۱۸) حاشیۃ الفوائد الضیائیۃ

(۱۹) شہاب دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی ارشاد کی شرح، ان کے علاوہ اور بھی کتابیں تصنیف کی ہیں، ان کی سوانح حیات اسی طرح ہندوستان کے جن علمائے کرام کا تذکرہ آگے آرہا ہے ان کی سوانح حیات میری کتاب إنباء الخلان بابناء علماء ہندوستان میں تلاش کرنی چاہیے۔

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کی تکمیل سے پہلے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اسی وجہ سے یہ کتاب دستیاب بھی نہیں ہے۔ (از حاشیہ ۱/ ۱۲۷)

(۴۴) شاہ لطف اللہ المعروف ملا زان بن اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے، اور اس جملہ سے حاشیہ کا آغاز کیا ہے:

الحمد لله الذی جعل کتابه....الخ.

یہ حاشیہ حل المشکلات کے نام سے موسوم ہے، اس میں جگہ جگہ متن وشرح کی عبارات اور اس کے مشمولات ومعانی پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کو بہت اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۴۵) ابو المعارف محمد عنایت اللہ قادری قصوری ثم لاہوری شطاری رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے شرح وقایہ پر حاشیہ غایۃ الحواشی کے نام سے دو جلدوں میں لکھا ہے، اس میں بہت سے فروعی مسائل کو بیان کیا گیا ہے، میں (عبد الحی لکھنوی) نے بالاستیعاب اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، آپ نے کنز الدقائق کی شرح ملتقط الدقائق کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب میں تشہد میں اشارہ کے مسنون ہونے کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے، جیسا کہ یہی محققین فقہائے کرام کی رائے ہے۔

(۴۶) شیخ نور الدین بن شیخ محمد صالح احمد آبادی رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) حاشیۃ علی شرح الوقایۃ (۲) حاشیۃ علی التلویح

(۳) حاشیۃ علی شرح مختصر العضدی (۴) حاشیۃ علی المطول

(۵) حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی (۶) حاشیۃ علی شرح المواقف

(۷) حاشیۃ علی القدیمۃ (۸) حاشیۃ علی شرح المقاصد

(۹) حاشیۃ علی شرح المطالع (۱۰) حاشیۃ علی الفوائد الضیائیۃ

آپ کی ولادت سنہ ۱۶۴ھ اور وفات سنہ ھ میں ہوئی ہے۔ (سبحۃ المرجان)

(۴۷) میرے (عبد الحی لکھنوی) استاذ کے استاذ اور میرے والد ماجد (عبد الحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) کے چچا مولانا مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر رحمۃ اللہ علیہ، (متوفی: ۱۹/ رجب، بروز ہفتہ، سنہ ۱۲۵۵ھ) کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

ابن المفتی ابو الرحم بن ملا محمد یعقوب بن مولانا عبد العزیز (متوفی: ۲۱/ ذی قعدہ سنہ ۱۱۶۶ھ اور ایک قول ہے: سنہ ۱۱۶۵ھ) ابن ملا سعید بن ملا قطب الدین شہید سہالوی (متوفی: ۱۹/ رجب، بروز پیر، سنہ ۱۱۰۱ھ اور ایک قول ہے: سنہ ۱۱۰۳ھ) بن شیخ عبد الحلیم بن شیخ احمد بن شیخ حافظ۔

شیخ حافظ رحمۃ اللہ علیہ: شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نسل سے ہیں، اور شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے نسل سے ہیں، اور ان کا شجرہ نسب میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، ان کا پورا شجرہ نسب اور ان کے آباء واجداد کی سوانح حیات نیز میرے اعزہ واقارب اور فرنگی محل میں اقامت پزیر علماء کی سوانح حیات کے لیے میری کتاب **خیر العمل فی تراجم أهل فرنجی محل** کا مطالعہ کرنا چاہیے، میں (عبد الحی لکھنوی) نے اس کتاب کو انباء الخلان بابناء علماء ہندوستان میں شامل کر دیا ہے۔

مولانا مفتی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ، جمال وخوبصورتی اور فضل وکمال میں منفرد تھے ،فروع واصول پر گہری نظر تھی ،علوم عقلیہ ونقلیہ پر کافی عبور حاصل تھا،صوم وصلوۃ اور تہجد کا بہت اہتمام کرتے تھے،سنت کے شیدائی تھے،لوگ انہیں عارف باللہ اور صاحب کشف کہا کرتے تھے،آپ کی ولادت دادا ہی کی زندگی میں سنہ ۱۲۲۳ھ میں ہوئی ہے، بیشتر درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور کچھ کتابیں مولانا مفتی محمد ظہور اللہ سے پڑھی، اور رسالہ قوشجیہ اپنے برادر خورد مولانا نور اللہ رحمہ اللہ سے پڑھی ہے۔

آپ نے مولانا احمد انوار الحق رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۲۶/ شعبان سنہ ۱۲۳۶ھ) کے ہاتھ پر بیعت کیا، مولانا احمد کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

ابن مولانا احمد عبد الحق (متوفی: بروز جمعہ، ۹/ ذی الحجہ سنہ ۱۱۶۸ھ) ابن ملا سعید بن قطب شہید (متوفی: ماہ شعبان سنہ ۱۲۷۹ھ) ابن مولانا ابو المکارم بن مولانا یعقوب۔ (آخر الذکر عالم کی مختصر سوانح حیات سابق میں بیان کیا جا چکا ہے۔)

جب مفتی محمد اصغر رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے فرزند ارجمند مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ہمارے شہر (لکھنو) میں قضا کا عہدہ سونپا گیا، آپ نے اس وقت بحسن وخوبی اور پوری دیانت وامانت کے ساتھ دار القضاء کے نظام کو چلایا ہے جب ہندوستان میں مادیت کا فتنہ عام تھا، اور اقتدار وسلطنت کے پجاریوں میں رسہ کشی پورے زور شور سے چل رہی

تھی، اس کے بعد اس عہدہ سے مستعفی ہو جانے کے بعد جونپور میں مدرسہ الحاج امام بخش مرحوم میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر آپ نے میرے والد ماجد (عبد الحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) کے ہمراہ سنہ ۱۲۷۷ھ میں شہر حیدر آباد دکن کا سفر کیا اور یہاں سنہ ۱۲۸۶ھ تک مسند درس کو زینت بخشی اور ان کے چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علوم نبوت نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔

آپ نے اسی سال جونپور سے حرمین شریفین کا سفر کیا اور مؤرخہ ۲۹ / رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اور ماہ شوال کی ۳۰/ تاریخ کو مدینہ منورہ کا سفر کیا، راستہ میں آپ سخت بخار اور دست سے دوچار ہوئے اور اسی بیماری میں بروز اتوار، ۱۹ / ذی قعدہ، سنہ ۱۲۴۶ھ کو مدینہ منورہ میں ہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کیا، اور سونے پر سہاگا کہ ایک تو بابرکت اور مقدس شہر میں آپ کی وفات ہوئی اور دوسرے یہ کہ جنت البقیع کی متبرک خاک کا پیوند ہوئے، اللہ آپ کے قبر کو نور سے منور فرمائے۔

تصانیف

آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن کا مطالعہ کرنے سے آپ کی استحضار، تبحر علمی، فقہی بصیرت اور اجتہادی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے، جن میں سے چند کتابیں یہ ہیں:

(۱) ملا حسن بن قاضی غلام مصطفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح السلم پر حاشیہ

(۲) قاضی مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح السلم پر حاشیہ

(۳) حاشیۃ علی الشمس البازغۃ

(۴) تکملۃ حواشی الشمس البازغۃ لملا حسن رحمۃ اللہ علیہ

(۵) شیخ ابو علی بن سینا کی کتاب طبیعیات الشفاء پر حاشیہ، لیکن آپ اس کتاب پر مکمل حاشیہ نہیں لکھ سکے۔

(۶) شرح وقایہ پر ابتدا سے مسح الرأس تک حاشیہ۔

(۷) تفسیر بیضاوی اور صحیح بخاری پر مختلف مقامات پر حاشیہ۔

(۴۸) میرے والد ماجد مولانا حاجی عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ (متوفی: ۱۲۵۳ھ) بن مولانا محمد اکبر بن مفتی ابوالرحم رحمۃ اللہ علیہم، آخر الذکر عالم کی مختصر سوانح حیات سابق میں بیان کیا گیا ہے۔ والد ماجد کی پیدائش ۲۱/ شعبان سنہ ۱۲۳۹ھ میں ہوئی، اپنے والد کے پاس ہی قرآن مجید حفظ کیا اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں، والد کی وفات کے بعد آپ نے شرح تلخیص المفتاح کا معتد بہ حصہ اپنے نانا مولانا مفتی ظہور اللہ (متوفی: ۱۲۵۶ھ) بن ملا محمد ولی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، آپ کے نانا کی تصانیف اہل علم کے درمیان معروف و مشہور تھیں، جیسے: حاشية على الحواش الزهدية، حاشية التهذيب الجلالية، الرسالة القطبية، شرح المواقف، مفتی ظہور اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آخر الذکر تین کتابوں پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے۔

والد صاحب نے شرح وقایہ، نور الانوار، شرح عقائد اور دیگر درسی کتابیں مولانا مفتی محمد اصغر رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، ان کی وفات کے بعد باقی معقولی ومنقولی درسی کتابیں مفتی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، اور علم ریاضی کی کتابیں اپنے ماموں مولانا محمد نعمت اللہ (متوفی: ماہ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ) بن مولانا نور اللہ بن ملا محمد ولی بن قاضی غلام مصطفی بن ملا سعد قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔

آپ ذی استعداد اور ژرف نگاہ عالم بن کر نکلے، علوم عقلیہ ونقلیہ پر گہری نظر تھی، آپ نے سنہ ۱۲۶۰ھ میں باندہ کا سفر کیا، اور نواب ذوالفقار مرحوم نے آپ کو اپنے مدرسہ میں درجہ علیا کا استاذ مقرر کیا، چناں چہ آپ نے یہاں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کے فرائض انجام دیا، پھر آپ جونپور تشریف لائے، اور اس شہر کا رئیس حاجی محمد امام بخش نے آپ کو اپنے مدرسہ میں درس تدریس کی پیشکش کی جسے آپ نے قبول کیا، ان دونوں مدرسوں میں جہاں بے شمار تشنگان علوم نبوت نے اپنی علمی پیاس بجھائی، وہیں آپ کے دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کے میدانوں میں سرگرم ہونے کی وجہ سے کثیر خلق خدا کو نفع ہوا، ان میں دینی شعور واحساس پیدا ہوا اور وہ اپنے گناہوں سے

تائب ہوئے۔

پھر آپ نے سنہ ۱۲۷۷ھ میں شہر حیدرآباد کا سفر کیا اور سلطنت آصفیہ کا وزیر نواب مختار ملک بہادر نے آپ کو اپنے مدرسہ کا استاذ مقرر کیا، یہاں بھی آپ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے کاموں میں منہمک رہے؛ لیکن دو سال کے بعد آپ بعض اعذار کی وجہ سے مستعفی ہوگئے، اور سنہ ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور یہاں کے علماء وطلبہ نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا، جن علماء نے آپ کو اجازت حدیث دی ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۲۸۴ھ) آپ مکہ میں حنفی مفتی اعظم تھے۔

(۲) مولانا سید احمد دحلان رحمۃ اللہ علیہ، آپ مکہ میں شافعی مفتی اعظم تھے۔

(۳) شیخ علی بن یوسف حریری مدنی المعروف شیخ الدلائل رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) مولانا عبد الغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۲۹۶ھ)

(۵) مولانا عبد الرشید مجددی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نوابغ روزگار شخصیات۔

آپ کو شیخ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے بھی اجازت حدیث پہلے سے حاصل تھی۔

پھر آپ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۰ھ میں حیدرآباد تشریف لائے، اور وزیر ممدوح (نواب مختار ملک رحمۃ اللہ علیہ) نے کچہری عدالت عالیہ کا انتظام وانصرام آپ کے سپرد کیا، جسے آپ نے تادم زیست بحسن وخوبی انجام دیا۔

تصانیف

(۱) رسالۃ فی الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد (۲) قمر الاقمار حاشیۃ نور الانوار

(۳) حاشیۃ شرح العقائد الجلالی، یہ کتاب حل المعاقد کے نام سے موسوم ہے۔

(۴) نظم الدرر فی سلک شق القمر (۵) امعان النظر لبصارۃ شق القمر

(۶) التحلیۃ شرح التسویۃ (۷) نور الایمان في آثار حبیب الرحمان

(۸) الاملاء فی تحقیق الدعاء (۹) ایقاد المصابیح فی التراویح

(۱۰) غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام (۱۱) خیر الکلام فی مسائل الصیام

(۱۲) القول الحسن فیما یتعلق بالنوافل والسنن

(۱۳) حاشیہ الوقایۃ، یہ حاشیہ مکمل نہیں ہے۔

(۱۴) عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر

(۱۵) السقایۃ شرح الھدایۃ، یہ کتاب مکمل نہیں ہے۔

(۱۶) رسالۃ فی احوال رحلۃ الی الحرمین الشریفین

(۱۷) التعلیق الفاضل فی مسئلۃ الطھر المتخلل، اس کتاب میں شرح وقایہ کی ایک اہم بحث جو کہ نام سے واضح ہے بیان کیا گیا ہے۔

(۱۸) رسالۃ فی تراجم علماء الھند، یہ کتاب مکمل نہیں ہے۔

(۱۹) رسالۃ فی جمع فتاوی، اس رسالہ میں آپ نے اپنے فتاوی کو جمع کیا ہے، لیکن یہ مکمل نہیں ہے۔

کتب علوم عقلیہ

(۱) التحقیقات المرضیۃ لحل حاشیۃ الزاھد علی الرسالۃ القطبیۃ

(۲) القول الاسلم لحل شرح السلم (۳) الاقوال الاربعۃ

(۴) کشف المکتوم لحل حاشیۃ بحر العلوم (۵) کاشف الظلمۃ فی بیان اقسام الحکمۃ

(۶) القول المحیط فیما یتعلق بالجعل المؤلف والبسیط

(۷) معین الغائصین فی رد الغالطین (۸) الایضاحات لمبحث المخلطات

(۹) کشف الاشتباہ لحل حمد اللہ (۱۰) البیان العجیب فی شرح ضابطۃ التھذیب

(۱۱) العرفان، یہ کتاب فن منطق میں متن ہے، آپ کے تلامذہ میں اس کتاب کی شرح مولانا ریاضت حسین، مولانا حکیم ناصر علی، مولانا حکیم وکیل احمد سکندر پوری رحمۃ اللہ علیہم نے لکھی ہیں، یہ تمام شروحات بہت عمدہ ہیں، کتاب کے مشمولات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

(۱۱) حاشیۃ النفیسی شرح موجز الطب، یہ حل النفیسی کے نام سے موسوم ہے۔
(۱۲) حاشیۃ القدیمۃ الدیوانیۃ، یہ کتاب مکمل نہیں ہے۔
(۱۳) امام قوشجی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح التجرید کی عربی شرح
(۱۴) حاشیۃ بدیع المیزان، یہ کتاب مکمل نہیں ہے۔
(۱۵) علم نحو میں حاشیۃ المصباح، اور ان کے علاوہ کتابیں بھی ہیں۔

میں (عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) اپنے والد ماجد کی سوانح حیات پر ایک مستقل رسالہ حسرۃ العالم کے نام سے لکھا ہے، انشاء اللہ میں (عبدالحی لکھنوی) آپ کی سوانح حیات تفصیل سے اپنی کتاب خیر العمل میں ذکر کروں گا، ان دنوں میں یہ کتاب زیر تالیف ہے، اللہ اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴۹) مولانا خادم احمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۲/ ذی الحجہ، سنہ ۱۲۷۱ھ) آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

مولانا خادم احمد بن مولانا محمد حیدر (متوفی: ماہ محرم، سنہ ۱۲۵۶) بن مولانا محمد مبین (متوفی: ربیع الثانی، سنہ ۱۲۲۵ھ) بن ملا محب اللہ بن مولانا احمد عبد الحق بن ملا سعید بن قطب شہید رحمۃ اللہ علیہم، آخر الذکر عالم کی مختصر سوانح حیات سابق میں بیان کیا گیا ہے۔

مولانا خادم احمد رحمۃ اللہ علیہ کی عربی و فارسی میں دو رسالے ہیں، شرح وقایہ میں کتاب الصلوۃ کے بالکل شروع میں سایہ اصلی اور زوال کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، مولانا خادم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں رسالوں میں اس بحث کو تفصیل سے بیان کیا ہے، آپ کا ایک اور رسالہ ہے جو الحاصل والمحصول من الفوائد الضیائیۃ کے نام سے موسوم ہے۔

(۵۰) مولانا سید ابوالخیر محمد معین الدین کروی رحمۃ اللہ علیہ (کرہ، کاف اور را کا فتحہ، الہ باد کے قریب ایک معروف شہر ہے، آپ اسی شہر کے باشندے تھے۔) آپ کا شجرہ نسب

امام (مقتدا و پیشوا) موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

تصانیف

(۱) شرح وقایہ کی مغلق اور پیچیدہ مباحث میں سے ایک بحث طہر متخلل کی ہے، آپ نے تفصیل سے اس بحث کو التعلیق الکامل میں بیان کیا ہے، میرے والد بزرگ وار نے منہیات التعلیق الفاضل میں کئی مقامات پر مذکورہ بالا کتاب کی غلطیوں کو واضح کیا ہے۔

(۲) رسالۃ فی بحث المثناۃ بالتکریر (۳) مرقاۃ الاذھان فی علم المیز ان

(۴) مرآۃ الاذھان فی علم الواجب (۵) الآداب المعینۃ فی المناظرۃ

(۶) جلاء الاذھان فی علم القرآن (۷) ہدایۃ الکونین الی شھادۃ الحسنین

(۸) التبیان فی فضائل النعمان (۹) التبیان فی حکم شرب الدخان

آخر الذکر کتاب میں اکثر؛ بلکہ تمام مباحث میری کتاب ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان سے ماخوذ ہیں، تعجب ہے کہ انہوں نے بطور حوالہ میری کتاب کا ذکر تک نہیں کیا ہے، جب بعض علماء نے ان کی کتاب کو دیکھا تو اس کی خوب ستائش کی اور مؤلف کی تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا اعتراف کیا؛ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ اس کتاب کے تمام مباحث میرے رسالہ سے نقل کیے گئے ہیں تو ان کی مؤلف کے تئیں جو خوش فہمیاں تھیں ان کا ازالہ ہوا اور انہیں اس بات پر بہت حیرت ہوئی کہ کیسے مؤلف نے ان (عبد الحی لکھنوی) کی کتاب سے تمام مباحث نقل کرنے کے باوجود اس کتاب کا حوالہ تک نہیں دیا، حالاں کہ ان (عبد الحی) کا شمار عبقری اور یگانہ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے، ہر علم وفن میں انہیں دست گاہ حاصل ہے، فیا للعجب!

(۵۱) مولانا عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ماہ صفر سنہ ۱۲۸۷ھ) آپ کی تصانیف میں مسیر الدائر شرح الدائر، حاشیۃ علی شرح السلم اور دیگر کتابیں ہیں، آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

مولانا عبد الحکیم بن مولانا عبد الرب بن بحر العلوم مولانا عبد العلیم

(متوفی: ماہ رجب سنہ ۱۲۲۵ھ) بن استاذ اساتذۃ الہند ملا نظام
(متوفی: ماہ جمادی الاولی سنہ ۱۱۶۱ھ) بن قطب شہید رحمۃ اللہ علیہم۔

(۵۲) محدث لکھنوی مرزا حسن علی رحمۃ اللہ علیہ، آپ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

(۵۳) مولانا نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ میرے والد ماجد کے ماموں اور استاذ بھی ہیں۔

(۵۴) مولانا مفتی ظہور اللہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ میرے دادا کے دادا اور میرے استاذ کے استاذ ہیں، فراغت کے بعد آپ شہر لکھنو میں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کے فرائض انجام دیے، پھر حج وعمرہ کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا، وہاں سے واپسی کے بعد مدرسہ مرزاپور میں مدرس مقرر کیے گئے، یہاں آپ نے ۱۲۶۹ھ تک تقریباً پندرہ سال درس دیا، اس کے بعد کچھ اعذار کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔

(۵۵) مولانا محمد عبدالرزاق بن مولانا جمال الدین احمد (متوفی: ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۷ھ) بن شارح فصول اکبری مولانا علاء الدین بن مولانا انوار الحق بن ملا عبد الحق بن ملا سعید بن قطب شہید رحمۃ اللہ علیہم۔

آپ فقیہ نبیل اور محدث بے مثیل تھے، آپ نے بعض درسی کتابیں میرے والد ماجد ((عبدالحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) کے ہمراہ مولانا مفتی محمد اصغر رحمۃ اللہ علیہ سے اور اکثر کتابیں مولانا مفتی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، اور بعض کتب حدیث شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا حسین احمد ملیح آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، آپ کو اپنے ماموں مولانا عبدالولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت کا شرف بھی حاصل ہے، آپ کی تصانیف میں منہج الرضوان فی قیام رمضان، الانوار الغیبیۃ، حاشیۃ شرح الوقایۃ ہیں، آخر الذکر حاشیہ مکمل نہیں ہے۔

مولانا محمد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ تادم تحریر ایک خانقاہ میں تصوف وسلوک اور احسان ومعرفت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت بھی ہو رہے ہیں، اللہ

ان کی ذات کو رشد وہدایت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(۵۶) مولانا محمد حسن بن ظہور حسن بن شمس علی سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا نسب صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ کے اساتذہ میں مفتی عبد السلام سنبھلی، (ماموں) مولانا عبد الکریم خان، مولانا سدید الدین خان دہلوی اور مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم ہیں، آپ ذی علم اور جید الاستعداد عالم دین تھے، آپ نے خلاصۃ الکیدانی کی شرح اور علم فرائض میں بہت ہی مرتب متن لکھی ہے، انہوں نے ہی مجھے اپنی سن ولادت ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۲۶۴ھ بتایا ہے، نیز آپ شرح وقایہ کے تقریبا سترہ صفحات پر حاشیہ لکھ چکے ہیں۔

(۵۷) راقم السطور عبد الحی لکھنوی، میں نے اپنی کچھ سوانح حیات: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البھیہ، مقدمۃ السعایۃ اور مقدمۃ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد میں ذکر کیا ہے، یہاں بھی اپنی کچھ سوانح حیات بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں؛ تاکہ لوگ اس ناچیز کو اپنی مستجاب الدعوات میں یاد رکھیں اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائیں۔

میری پیدائش ۲۶/ ذی قعدہ بروز منگل، سنہ ۱۲۶۴ھ کو شہر باندہ میں ہوئی ہے، اس وقت میرے والد ماجد (مولانا عبد الحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) اس شہر کے کسی معروف ادارہ میں مدرس تھے، میں پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور بحمد اللہ دس سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگیا، اس دوران بعض فارسی اور دیگر کتابیں بھی پڑھتا تھا، تکمیل حفظ قرآن مجید کے بعد والد بزرگ وار سے تمام درسی کتابیں پڑھیں، میزان الصرف سے تفسیر بیضاوی، قدیمہ، نفیسی اور شمس بازغہ تک، اسی طرح کتب حدیث، تفسیر، فقہ واصول فقہ اور تمام معقولی ومنقولی کتابیں پڑھیں، میری فراغت سترہ سال کی عمر میں ہوئی ہے اور میں نے آخر کے سات سالوں میں دو سفر کئے ہیں: ایک وطن مالوف سے حیدر آباد دکن کا سفر اور دوسرا حیدر آباد دکن سے حرمین شریفین کا سفر۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لم أقرأ شيئا من الكتب العلمية على غير الوالد إلا بعض كتب علم الرياضى، كشروح التذكرة للبرجندى وللخفرى وللسيد السند، ورسالة الاسطرلاب للطوسى، وزيج الغ بيكس مع شرحه للبرجندى، وزيج بهادر خانى، ورسالة فى النجوم، فقد قرأتها بعد وفاته على خاله وأستاذه مولانا محمد نعمت الله المرحوم، صاحب اليد الطولى فى العلوم الرياضية، وأنا آخر من تلمذ عليه.

(عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ، ص:۱۳۶)

میں (عبدالحی لکھنوی) نے تمام درس نظامی اپنے والد ماجد سے ہی پڑھی ہیں؛ البتہ والد صاحب کی وفات کے بعد علم ریاضی کی بعض کتابیں استاذ گرامی قدر مولانا نعمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی ہیں، جیسے: علامہ برجندی، خفری اور سید سند رحمۃ اللہ علیہم کی شروح التذکرہ، امام طوسی رحمۃ اللہ علیہ کی رسالۃ الاسطرلاب، زیج الغ بیکس اور اس کے ساتھ علامہ برجندی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح بھی، زیج بہادر خانی اور علم نجوم میں کوئی رسالہ، (مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) مولانا نعمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فن ریاضی میں کامل دست گاہ حاصل تھی، رشتہ میں وہ میرے ماموں اور آخری استاذ ہیں۔

میں (عبدالحی لکھنوی) نے ان ایام میں کسی دن خواب میں تذکرہ، تجرید، تحریر اقلیدس اور دیگر کتابوں کے مصنف علامہ محقق نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، میں نے کچھ

سوالات بھی کیے، آپ نے اس فن (ریاضی) کو پڑھنے پر بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور آپ نے یہ بشارت بھی دی کہ انشاء اللہ تجھے اس فن میں کمال اور دسترس حاصل ہوگا۔

والد صاحب (عبد الحلیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھ سے فرمایا: تم نے جو کتابیں مجھ سے پڑھی ہیں، میں نے وہ تمام کتابیں حسب ذیل اساتذہ سے پڑھا ہے:

(۱) مفتی عبد اللہ سراج رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شیخ جمال الدین حنفی مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) شیخ محمد بن محمد غرب شافعی رحمۃ اللہ علیہ، آپ مسجد نبوی میں مدرس تھے۔

(۳) شیخ عابد سندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شیخ عبد الغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) سید احمد دحلان شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے علاوہ دیگر اساتذہ کرام جن کے نام میری سند میں لکھے ہوئے ہیں۔

میں (عبد الحی لکھنوی) جب والدین کے ہمراہ حرمین شریفین کا سفر کیا تو سید احمد دحلان شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اجازت حدیث دی، نیز اسی سفر میں شیخ علی بن یوسف حریری مدنی المعروف شیخ الدلائل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ماہ محرم میں اجازت حدیث دی ہے، جب میں دوسری مرتبہ سنہ ۱۲۹۲ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا تو میری ملاقات مکہ کے حنبلی مفتی اعظم مولانا سید محمد بن عبد اللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۲۹۵ھ) سے ہوئی اور انہوں نے مجھے اجازت حدیث عطا فرمائی، نیز اسی سفر میں شیخ عبد الغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین عظام نے اجازت حدیث دی، فللہ الحمد والمنۃ۔

تصانیف

اللہ تعالی نے مجھ ناچیز (عبد الحی لکھنوی) کو درس وتدریس کے ساتھ جوانی؛ بلکہ کم سنی ہی سے تصنیف وتالیف کی توفیق عطا فرمائی، اس پر اپنے پروردگار کا جتنا شکر اور تعریف کی جائے کم ہے، میں یہاں تحدیث بالنعمہ کے طور پر اپنی کتابیں ذکر کرتا ہوں:

فن صرف میں

(۱) التبیان شرح المیزان (۲) تکملۃ المیزان

(۳) شرح تکملۃ المیزان (۴) امتحان الطلبۃ فی الصیغ المشکلۃ

(۵) اس موضوع پر آپ نے **"جار کل"** کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔

فن نحو میں

(۶) خیر الکلام فی تصحیح کلام الملوک ملوک الکلام

(۷) إزالۃ الجمد عن اعراب اکمل الحمد

فن مناظرہ میں

(۸) الهدایۃ المختاریۃ شرح الرسالۃ العضدیۃ

فن منطق اور حکمت میں

(۹، ۱۰، ۱۱) حاشیۃ الزاہد علی الرسالۃ القطبیہ پر غلام یحیی بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ پر پہلا حاشیہ ہدایۃ الوری کے نام سے لکھا، دوسرا حاشیہ مصباح الدجی کے نام سے لکھا اور تیسرا حاشیہ نور الهدی کے نام سے لکھا ہے۔

(۱۲) التعلیق العجیب لحل حاشیۃ الجلال علی التهذیب

(۱۳) حل المغلق فی بحث المجهول المطلق

(۱۴) الکلام المتین فی تحریر البراہین (۱۵) میسر العسیر فی بحث المثناۃ بالتکریر

(۱۶) الافادۃ الخطیرۃ فی بحث سبع عرض شعیرۃ

(۱۷) تکملۃ حاشیۃ الوالد المرحوم علی النفیسی

(۱۸) دفع الکلال عن طلاب تعلیقات الکمال

(۱۹) المعارف بمافی حواشی شرح المواقف

(۲۰) تعلیق الحمائل علی حواشی الزاہد علی شرح الهیاکل (۲۱) حاشیۃ بدیع المیزان

آخر الذکر چار کتابیں تادم تحریر مکمل نہیں ہوئی ہیں۔

سوانح حیات اور تاریخ کی کتابیں

(۲۲) حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم (۲۳) الفوائد البهیہ فی تراجم الحنفیۃ

(۲۴) التعلیقات السنیۃ (۲۵) مقدمۃ الہدایۃ (۲۶) مذیلۃ الدرایۃ

(۲۷) مقدمۃ الجامع الصغیر ، یہ کتاب النافع الکبیر کے نام سے موسوم ہے۔

(۲۸) مقدمۃ السعایۃ (۲۹) مقدمۃ التعلیق الممجد (۳۰) مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ

(۳۱) خیر العمل فی تراجم اُہل فرنگی محل

(۳۲) النصیب الاوفر فی تراجم علماء المئۃ الثالثۃ عشر

(۳۳) رسالۃ اُخری فی تراجم السابقین من علماء الہند

آخر الذکر تینوں کتابیں اِنباء الخلان بأبناء علماء ہندوستان میں ضم کر دیا گیا ہے، یہ کتاب زیر تالیف ہے۔

(۳۴) ابراز الغي الواقع فی شفاء العي

فن فقہ اور سیر وحدیث سے متعلق کتابیں

(۳۵) الحاشیۃ القدیمۃ لشرح الوقایۃ

(۳۶) السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ، یہ شرح وقایہ کی مبسوط اور مفصل شرح ہے؛ لیکن کتاب الصلاۃ تک ہی ہے۔

(۳۷) عمدۃ الرعایۃ لحل ما فی شرح الوقایۃ، آپ نے بعض مخلص اہل علم کی درخواست پر اس نام سے شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے اور یہی حاشیہ اہل علم کے درمیان معروف ومتداول ہے۔

(۳۸) التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد

(۳۹) جمع الغرر فی الرد علی نثر الدرر، آپ نے اس کتاب میں اپنے والد ماجد کی شاہکار تصنیف نظم الدرر فی سلک شق القمر کی بعض عبارات پر کیے گئے اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا ہے۔

(۴۰) القول الاشرف فی الفتح عن المصحف

(۴۱،۴۲) القول المنشور فی ہلال خیر الشہور، آپ نے اس کتاب پر حاشیہ

القول المشور کے نام سے لکھا۔ (۴۳) زجر ارباب الریان عن شرب الدخان

(۴۴) ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان ، ان دونوں رسالوں کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔

(۴۵) الانصات فی حکم الاعتکاف، راقم السطور نے اس رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

(۴۶) الافصاح عن حکم شہادۃ المرأۃ فی الارضاع

(۴۷، ۴۸) تحفۃ الطلبۃ في مسح الرقبۃ، آپ نے اس کتاب پر حاشیہ تحفۃ الکملۃ کے نام سے لکھا ہے۔

(۴۹) ساحۃ الفکر فی الجہر بالذکر (۵۰) احکام القنطرۃ فی احکام البسملۃ

(۵۱، ۵۲) غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال، آپ نے اس کتاب پر حاشیہ ظفر الانفال کے نام سے لکھا ہے۔

(۵۳) الھسھسۃ بنقض الوضوء بالقھقھۃ (۵۴) خیر الخبر بأذان خیر البشر، راقم السطور نے اس رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

(۵۵) رفع الستر عن کیفیۃ ادخال المیت وتوجیھہ فی القبر

(۵۶) قوت المغتدین بفتح المقتدین (۵۷) التحقیق العجیب فی التثویب

(۵۸) إفادۃ الخیر فی الاستیاک بسواک الغیر

(۵۹) الکلام الجلیل فیما یتعلق بالمندیل

(۶۰، ۶۱) تحفۃ الاخیار فی إحیاء سنۃ سید الابرار، آپ نے اس کتاب کی شرح نخبۃ الانظار کے نام سے لکھی ہے۔

(۶۲) إقامۃ الحجۃ علی أن الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ، راقم الحروف نے اس رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے

(۶۳) تحفۃ النبلاء فیما یتعلق بجماعۃ النساء

(۶۴) زجر الناس علی إنکار اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ

(۶۵) الفلک الدوار فیما یتعلق برؤیۃ الھلال بالنہار

(۶۶) الفلک المشحون فی انتفاع الراہن والمرتہن بالمرہون

(۶۷) الاجوبۃ الکاملۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، راقم السطور نے اس رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

(۶۸) ظفر الامانی بشرح المختصر المنسوب الی الجرجانی، یہ کتاب زیر تالیف ہے۔

(۶۹، ۷۰) إمام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام، آپ نے اس کتاب پر حاشیہ تعلیق الفوائد العظام کے نام سے لکھا ہے۔

(۷۱) تدویر الفلک فی حصول الجماعۃ بالجن والملک

(۷۲، ۷۳) نزھۃ الفکر فی سبحۃ الذکر، اور آپ نے اس کتاب پر حاشیہ النفحۃ کے نام سے لکھا ہے۔

(۷۴) القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم

(۷۵) آکام النفائس فی الاذکار بلسان الفارس، راقم السطور نے اس رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

(۷۶) تحفۃ الثقات فی تفاضیل اللغات، یہ کتاب زیر تالیف ہے۔

(۷۷) ردع الاخوان عما أحدثوہ فی آخر جمعۃ رمضان، راقم السطور نے اس رسالہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ (۷۸) رسالۃ فی الغیبۃ، یہ کتاب زیر تالیف ہے۔

(۷۹) رسالۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، یہ کتاب زیر تالیف ہے۔

(۸۰) تبصرۃ البصائر فی معرفۃ الاواخر، یہ کتاب زیر تالیف ہے۔

(۸۱) جمع المواعظ الحسنۃ لخطب شہور السنۃ

(۸۲) الآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات

(۸۳) دافع الوسواس فی أثر ابن عباس رضی اللہ عنہ

(۸۴) الکلام المبرم فی نقض القول المحکم

(۸۵) الکلام المبرور فی رد القول المنصور

(۸۶) السعي المشکور فی رد المذھب الماثور

(۸۷) ہدایۃ المعتدین فی فتح المقتدین، اور ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔

میں (عبد الحی لکھنوی) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اپنے حبیب فخر کائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل بصد اخلاص دعا گو ہوں کہ وہ میری ان تمام تصنیفات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، میری لغزشوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائے اور تا قیامت ان کے نفع کو عام وتام فرمائے اور میرے لئے توشہ آخرت اور جہنم سے مکمل خلاصی کا ذریعہ بنائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

نواں باب

جن یگانہ روزگار علماء کے نام وقایہ یا شرح وقایہ میں آئے ہیں ان کا تذکرہ

حروف تہجی کے اعتبار سے ان اکابر علماء کی سوانح حیات کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) محمد بن عبد الرحمن بن یسار ابی لیلی انصاری رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الدعوی کے تحت آیا ہے، آپ کی سن پیدائش ۷۴ھ اور وفات سنہ ۱۴۸ھ کو کوفہ میں ہوئی ہے، آپ بے مثیل فقیہ، مجتہد اور بنو امیہ کے دور حکومت میں منصب قضاء پر متمکن تھے اور بنو عباس کے دور حکومت تک مسلسل تینتیس سال اس عہدہ پر فائز رہے، پھر ابو جعفر منصور نے اس عہدہ پر آپ کے بھتیجے کو مقرر کیا۔ (وفیات الاعیان ۴/ ۱۸۱)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ الکاشف اور العبر باخبار من غبر میں لکھتے ہیں:

إنه أخذ عن الشعبي ومن في طبقته، وعنه وكيع وأبو نعيم وغيرهما، وكان صدوقا، حسن الحديث أفقه الناس. (العبر ۱/ ۲۱۱)

ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں امام شعبی اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم ہیں، اور آپ کے شاگردوں میں امام وکیع اور ابو نعیم جیسی عبقری شخصیات رحمۃ اللہ علیہم ہیں، ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ سچائی کے خوگر اور اپنے معاصرین میں فن فقہ میں ممتاز اور منفرد مقام رکھتے تھے۔

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ان کی سوانح حیات کو اختصار کے ساتھ مقدمۃ الہدایۃ میں بیان کیا ہے۔ (۲/ ۷)

(۲) محمد بن قاسم بن محمد بن بشار ابو بکر نحوی لغوی انباری المعروف ابن انباری لغوی رحمۃ اللہ علیہ، انبار بغداد کے قریب کسی قدیم شہر کا نام ہے، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الایمان میں آیا ہے۔ امام زبیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابن انباری لغوی رحمۃ اللہ علیہ کو فن نحو وادب میں کامل دست گاہ حاصل تھی، حافظہ بلا کا تھا،

صداقت و دیانت، حب الٰہی و عشق نبوی سے سرشار تھے، عظیم ہستیوں نے ان سے احادیث روایت کی ہے جن میں سرفہرست امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ کو قرآن مجید کی استشہاد میں تین ہزار اشعار حفظ تھے، آپ زبانی املا کرایا کرتے تھے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی سوانح حیات تفصیل سے اپنی کتاب بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ میں بیان کیا ہے۔

ابن الانباری لغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی کتابیں املا کرائی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱) غریب الحدیث ۲) کتاب المذکر والمؤنث

۳) کتاب المقصور والممدود ۴) کتاب شرح غریب شعر زہیر

۵) شرح النابغۃ ۶) شرح شعر الاعشٰی

آپ کی پیدائش ۱۹/ رجب، بروز اتوار، سنہ ۲۷۱ھ، اور وفات شب عید الاضحیٰ سنہ ۳۰۸ھ اور ایک قول کے مطابق سنہ ۳۲۰ھ میں ہوئی ہے۔ (معجم الادباء ۱۸/ ۳۰۷)

(۳) ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ (شین اور را کا ضمہ اور با پر سکون) شرح وقایہ میں آپ کا ذکر کتاب الدعوی میں آیا ہے، آپ بڑے عقلمند، عفیف و پاکدامن، شاعر اور حق شناس انسان تھے، لوگوں میں آپ کے جود و سخا کا خوب چرچا تھا، ان ستودہ صفات و اخلاق کا حامل شخص ہمیشہ کے لئے سنہ ۱۴۴ھ کو کوفہ کی سرزمین میں آسودہ خواب ہو گیا، اللہ ان کی تربت کو آماجگاہ رحمت بنائے۔ (مرآۃ الجنان ۱/ ۲۹۷)

(۴) ترجمان القرآن، حَبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الحج میں آیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دعا دی تھی:

اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ.

(مسند احمد ۵/ ۲۱۵)

یا اللہ! ان کو دین اسلام کا فقیہ اور تاویل کا طریقہ سکھائیے۔

یہ دعا قبول ہوئی اور آپ ترجمان القرآن اور حَبر الامہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ فَاقَ النَّاسَ بِخِصَالٍ: بِعِلْمِ مَا سَبَقَهُ وَفِقْهٍ فِيمَا احْتِيجَ إِلَيْهِ مِنْ رَأْيِهِ وَحِلْمٍ وَسَيْبٍ وَنَائِلٍ. وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَعْلَمَ بِمَا سَبَقَهُ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مِنْهُ وَلا أَعْلَمَ بِقَضَاءِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ مِنْهُ. وَلا أَفْقَهَ فِي رَأْيٍ مِنْهُ. وَلا أَعْلَمَ بِشِعْرٍ وَلا عَرَبِيَّةٍ وَلا بِتَفْسِيرِ الْقُرْآنِ وَلا بِحِسَابٍ ولا بفريضة منه. ولا أعم بِمَا مَضَى وَلا أَثْقَفَ رَأْيًا فِيمَا احْتِيجَ إِلَيْهِ مِنْهُ. وَلَقَدْ كَانَ يَجْلِسُ يَوْمًا مَا يَذْكُرُ فِيهِ إِلا الْفِقْهَ وَيَوْمًا التَّأْوِيلَ وَيَوْمًا الشِّعْرَ وَيَوْمًا أَيَّامَ الْعَرَبِ. وَمَا رَأَيْتُ عَالِمًا قَطُّ جَلَسَ إِلَيْهِ إِلا خَضَعَ لَهُ وَمَا رَأَيْتُ سَائِلا قَطُّ سَأَلَهُ إِلا وَجَدَ عِنْدَهُ عِلْمًا. (طبقات ابن سعد، ۴/ ۱۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کئی عمدہ صفات کی وجہ سے تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے، وہ سابقہ علوم کو خوب جانتے تھے، اور جب ان کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو بہت سمجھداری کا مشورہ دیتے، میں (عبید اللہ) نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کو اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو جاننے والا ہو، اسی طرح میری نگاہ نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا ہے جو اشعار، عربی لغت، قرآن مجید کی تفسیر، حساب و میراث کو ان سے زیادہ جاننے والا ہو، ان کی مجلس میں زیادہ تر فقہی مسائل، قرآن کریم کی تفسیر کے بارے گفتگو ہوتی، کسی دن مجلس میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کے بارے میں، کسی دن عرب کی لڑائیوں کے بارے میں گفتگو کرتے اور کسی دن اشعار سناتے، میں نے یہی دیکھا ہے کہ جو عالم بھی ان کی مجلس میں آیا وہ آخر کار ان کی علمی عظمت کے سامنے ضرور جھک گیا اور جو بھی ان سے کچھ پوچھنے آیا ان سے اپنے سوال کا جواب ضرور پایا۔

لیث بن ابی سلیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے ہیں:

لزمت هَذَا الغلام، يعني ابْنَ عَبَّاس، وتركت الأكابر من أصحاب رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! قَالَ: إني رَأَيْت سبعين رجلًا من أصحاب رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تدارءُوا فِي أمر صاروا إلى قول ابْنِ عَبَّاس، استعمله علي بن أبي طالب رضي الله عنه على البصرة، فبقي عليها أميرا، ثم فارقها قبل أن يقتل علي رضي الله عنه، وعاد إلى الحجاز، وشهد مع علي رضي الله عنه حرب صفين. (اسد الغابۃ ۲/ ۱۳۰)

میں (لیث بن ابی سلیم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی صحبت میں مسلسل اس لیے رہا ہوں کہ میں نے ستر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو فیصل بناتے اور ان کی رائے حتمی ہوتی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کو بصرہ کا امیر بنایا تھا؛ لیکن آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے سے پہلے اس عہدہ سے مستعفی ہوگئے اور حجاز تشریف لائے، آپ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام میں عمر، علی، معاذ اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہے، اور آپ سے ابن عمر، انس، ابوالطفیل، ابوامامہ، سہیل بن حنیف، علی بن عبداللہ، (سہیل بن حنیف کے فرزند) عکرمہ، کریب، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن مسیب، علی بن حسین، عروہ بن زبیر، ابوالضحی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر بے شمار حضرات نے آپ سے احادیث بیان کی ہے۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب الوتر والنوافل اور دیگر ابواب میں آیا ہے، علم وعمل میں آپ کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے، غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات بشمول بیعت رضوان میں شریک ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ. (بخاری، حدیث نمبر: ۳۷۴۰)

ابن عمر نیک وصالح انسان ہیں۔

علامہ ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان ابن عمر حبر هذه الأمة.

(تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۳۰)

ابن عمر رضی اللہ عنہ اس امت کے زبردست عالم تھے۔

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

لَوْ شَهِدْتُ لِأَحَدٍ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَشَهِدْتُ لِابْنِ عُمَرَ. (سیر اعلام النبلاء ۴/۳۰۸)

اگر میں دنیا میں کسی شخص کے جنتی ہونے کی گواہی دوں تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دوں گا کہ وہ یقیناً جنتی ہیں۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان عبد الله تتبع أمر رسول الله صلى الله عليه وآله

وسلم وآثاره وأفعاله حتى كأنه خيف على عقله.
(تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۳۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ہی اقوال وافعال گو کہ وہ امور عادیہ میں سے ہوں پر عمل کرنے کے انتہائی حریص تھے، لوگ ان کے اس قابل رشک اور جذبہ کو دیکھ کر انہیں سنت کا عاشق اور دیوانہ کہتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا مِنَّا إِلا مَنْ مَالَتْ بِهِ الدُّنْيَا وَمَالَ بِهَا، مَا خَلا عُمَرَ، وَابْنِهِ عَبْدِ اللّٰهِ. (اسد الغابۃ ۳/ ۳۳۶)

ہم میں سے ہر شخص دنیا کی طرف قدرے مائل ہو چکا ہے؛ لیکن عمر اور ان کے فرزند ارجمند رضی اللہ عنہما ہیں کہ ان کے دل میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

سعید بن عمر قرشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قام ابن عمر رضی الله عنه والحجاج يخطب، فقال: عدو الله استحل حرم الله، وخرب بيت الله، وقتل أولياء الله، فقال الحجاج: من هذا؟ فقيل: ابن عمر رضي الله عنه، فقال الحجاج: اسكت يا شيخا قد خرف، فلما صدر الحجاج أمر بعض الأعوان فأخذ حربة مسمومة وضرب بها رجل عبد الله، فمرض ابن عمر رضي الله عنه، ومات منها، وكان ذلك سنة ثلاث وسبعين، وقيل: أول أربع وسبعين.
(تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۳۷)

کسی دن حجاج بن یوسف مجمع عام میں تقریر کر رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دوران تقریر کھڑے ہوئے اور اس سے بآواز بلند کہا: اے خدا کے دشمن! تو نے محرمات کو حلال کیا، مساجد کو ویران کیا اور کتنے ہی اولیاء، صلحاء اور علماء کو شہید کیا، تیرا ناس ہو، حجاج یہ بات سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا: یہ کون شخص ہے؟ کسی نے کہا: یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حجاج نے غصہ کے لہجہ میں کہا: اے بوڑھے! تو کم عقل ہے، خاموش ہو جا، اور اپنے کارندوں سے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے کہا، کسی بد بخت نے آپ کو زہر آلود نیزہ سے مارا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے اور اسی حالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ واقعہ سنہ ۷۳ یا ۷۴ھ میں پیش آیا ہے۔

(۶) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید عبداللہ بن مبارک بن واضح رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الحیض میں آیا ہے، آپ کے والد ماجد ترکی النسل تھے اور والدہ صاحبہ خوارزم کی باشندہ تھی، آپ کی سن پیدائش ۱۱۸ھ یا ۱۱۹ھ ہے، آپ نے اپنی پوری زندگی تعلیم و تعلم، اللہ کی اطاعت و فرماں برداری اور دشمنان اسلام سے جہاد میں لگا دی ہے، آپ کے اساتذہ میں سلیمان تیمی، عاصم احول، حمید طویل ہشام بن عروہ اور دیگر اکابر علماء رحمۃ اللہ علیہم ہیں، آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہے، اور آپ کی نگرانی میں علم فقہ کو ابواب کے اعتبار سے مدون کیا۔

آپ کے چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علوم نبوت نے اپنی علمی پیاس بجھائی، جن میں یحیی بن معین، عبدالرحمن بن مہدی، ابوبکر بن ابی شیبہ، اور ان کے برادر خورد عثمان، امام احمد بن حنبل جیسی نوابغ روزگار شخصیات رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے دور میں چار بڑے مشہور ائمہ تھے: مالک، سفیان ثوری، حماد بن زید اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہم۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ فِي زَمَانِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَطْلَبَ لِلْعِلْمِ مِنْهُ. (سیر اعلام النبلاء ۷/۳۷۶)

آپ (ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ) اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ علوم شرعیہ کے حصول میں انہماک اور راحت و آرام کو قربان کرنے والے تھے۔

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان ثقة متثبتًا وكانت كتبه التي حدث بها نحوًا من عشرين ألف حديث. (المقصد الارشد ۱/۳۵۶)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مضبوط ثقہ راوی ہیں، آپ نے جن کتابوں سے احادیث املا کرائی ہیں وہ تقریباً بیس ہزار ہیں۔

عباس بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمع ابْن الْمُبَارك والْحَدِيث وَالْفِقْه والعربية وَأَيَّام النَّاس والشجاعة والسخاء. (الوافی بالوفیات ۱۷/۲۲۵)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث، فقہ، عربی ادب اور سابقہ اقوام پر اللہ کے عذاب اور فضل و انعام کی تفصیلات اچھی طرح محفوظ تھیں، نیز آپ بڑے بہادر، اور فیاض و سخی تھے۔

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سَيِّدٌ مِنْ سَادَاتِ الْمُسْلِمِينَ.

(سیر السلف الصالحین ۱/۱۰۲۵)

آپ بلند پایہ عالم دین اور مرجع الخلائق تھے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما رأيت أعقل منه ولا أكثر فى الاجتهاد فى العبادة منه.

میں نے آپ سے زیادہ عقلمند، ذی شعور اور عبادت گذار انسان نہیں دیکھا ہے۔

آپ کے مناقب اور صفات حمیدہ تاریخ بغداد، حلیۃ الاولیاء اور دیگر کتابوں میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہے، آپ کی وفات سنہ ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۲۷۹)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح وتعریف میں بڑے عمدہ اشعار کہے ہیں، ان اشعار کو علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار میں نقل کیا ہے:

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا
إِمَامُ الْمُسْلِمِينَ أَبُو حَنِيفَهْ
بِأَحْكَامٍ وَآثَارٍ وَفِقْهٍ
كَآيَاتِ الزَّبُورِ عَلَى صَحِيفَهْ

مسلمانوں کے امام "ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ" نے شہروں اور شہروں میں رہنے والوں کو زینت بخشی احکام، آثار اور فقہ کے ساتھ، جس طرح صحیفہ پر زبور کی آیات تھیں۔

فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهُ نَظِيرٌ
وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوفَهْ

مشرقین، مغربین اور کوفہ میں آپ کی نظیر نہیں ہے۔

إماما صار فى الإسلام نورا

أمینا　　للرسول　　وللخلیفہ

آپ دین اسلام کے آبرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین اور جانشین ہے۔

يَبِيتُ　　مُشَمِّرًا　　سَهِرَ　　اللَّيَالِيَ

وَصَامَ　　نَهَارَهُ　　لِلّٰهِ　　خِيفَهُ

آپ کی پوری رات عبادت، تعلق مع اللہ اور قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط کرنے میں گزرتی تھی، اور اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے دن میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

وصان　　لسانه　　عن　　كل　　إفك

ومازالت　　جوارحه　　عفيفه

آپ کی زبان ہمیشہ غیبت اور بہتان تراشی سے مکمل محفوظ رہی ہے، آپ بڑے عفیف و پاکدامن تھے۔

يعف　　عن　　المحارم　　والملاهي

ومرضاة　　الإله　　له　　وظيفه

لایعنی امور اور حرام و مشتبہ چیزوں سے بچتے تھے، اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ان کی عین خواہش تھی۔

فَمَنْ　　كَأَبِي　　حَنِيفَةَ　　فِي　　عُلَاهُ

إِمَامٌ　　لِلْخَلِيفَةِ　　وَالْخَلِيقَهْ

کوئی ہے جو رفعت و بلندی میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ کرے؟ وہ عوام الناس اور خلیفہ کے امام تھے۔

رَأَيْت　　الْعَائِبِينَ　　لَهُ　　سَفَاهًا

خِلَافَ　　الْحَقِّ　　مَعَ　　حُجَجٍ　　ضَعِيفَهْ

میں نے امام صاحب پر عیب لگانے والوں کو بے وقوف دیکھا جو حق کی مخالفت کرنے والے تھے نیز ان کے دلائل بھی کمزور تھے۔

وَكَيْفَ يَحِلُّ أَنْ يُؤْذَى فَقِيهٌ
لَهُ فِي الْأَرْضِ آثَارٌ شَرِيفَةٌ

کیا یہ نا انصافی نہیں ہے کہ ایسے فقیہ کو ستایا جائے جن کے کارنامے اور اسلام کے تئیں عظیم خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

وَقَدْ قَالَ ابْنُ إِدْرِيسِ مَقَالًا
صَحِيحَ النَّقْلِ فِي حِكَمٍ لَطِيفَةٌ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بات لطیف حکمتوں کے درمیان کہی ہے جس کی نقل صحیح ہے۔

بِأَنَّ النَّاسَ فِي فِقْهٍ عِيَالٌ
عَلَى فِقْهِ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةٌ

کہ لوگ فن فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خوشہ چیں ہیں۔

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ
عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةٌ

(شامی ۱/ ۶۳)

ہمارے پروردگار کی ریت کے ذرات کے برابر لعنت ہو جس نے امام صاحب کے قول کو (بلا دلیل عنادا) رد کیا۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر دو اعتراض

(۱) مذکورہ بالا اشعار کے آخری مصرعہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ احادیث میں

کسی بھی ادنی مسلمان پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ امام صاحب کے قول کو رد کرنے والے شخص پر اللہ کی لعنت ہو؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لعنت کے دو معنی ہیں:

(۱) لعنت عامہ (۲) لعنت خاصہ

لعنت عامہ یہ ہے کہ کسی پر لعن طعن کیا جائے اور مراد یہ ہو کہ وہ اللہ کی عام رحمت وعنایت سے بھی محروم ہو جائے، ایسی لعنت صرف کفار کے خلاف کرنا جائز ہے، کسی مسلمان کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

لعنت خاصہ یہ ہے کہ کسی پر لعن طعن کیا جائے اور مراد یہ ہو کہ اس پر اللہ کی وہ خصوصی رحمت وعنایت نہ ہو جو صلحاء اولیاء کے ساتھ ہوتی ہے، ایسی لعنت کسی مسلمان کے خلاف کرنا جائز ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان پر بر سبیل عموم لعنت کرنا جائز ہے، اس کی تائید درج ذیل دو حدیثوں سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ.

(صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۵۱۳)

دوسری عورت کے بال لگانے والی یا اس کی خواہش کرنے والی عورت پر اللہ کی لعنت ہو، گودنے والی یا گدوانے کی خواہش رکھنے والی عورت پر اللہ کی لعنت ہو۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ

الْأَرْضِ۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۹۷۸)

اس شخص پر اللہ کی لعنت ہے جس نے غیر اللہ کے لیے کسی جانور کو ذبح کیا، اور اس شخص پر اللہ کی لعنت ہے جس نے کسی بدعتی کو جگہ (تعظیما) دی، اور اس شخص پر اللہ کی لعنت ہے جس نے زمین (قبضہ کرنے کی نیت سے) کے نشانات کو بدلا۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے بر سبیل عموم مسلمانوں پر لعن طعن کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض مذکورہ مصرعہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی قول کو رد کرنے والے شخص پر لعن طعن کرنا کیوں کر جائز ہوگا جب کہ ایک نہیں کئی فقہاء، محدثین اور مجتہدین عظام نے امام صاحب کے قول کو رد کیا ہے؟

میں (عبد الحی لکھنوی) کہتا ہوں: امام صاحب کے قول کو رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بیان کردہ احکام شرعیہ کو حقیر سمجھتے ہوئے رد کیا جائے یا آپ کے ذات کو بھی دلائل کی تردید کی ساتھ نشانہ بنایا جائے اور ایسے قبیح اور گھٹیا الفاظ کہے جائیں جن سے آپ کے مقلدین کی دل آزاری ہوتی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی بھی ادنی مسلمان کی بات کو اس انداز سے رد کرنا نہ صرف گناہ ہے؛ بلکہ رد کرنے والا ملعون ومطعون، فاسق اور گمراہ ہے تو آپ کا ایسے شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو ایسی عظیم ہستی کے قول کو رد کرے جن کے ورع وتقوی، فقہی بصیرت، اعلی اجتہادی صلاحیت، اور شریعت مطہرہ کے مقتدا و پیشوا ہونے کا بڑے بڑے مجتہدین نے اعتراف کیا ہے، اور آپ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے؟ نیز جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سلف صالحین کی شان میں گستاخی کرنے والا فاسق ہے اور کسی معاملہ میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور شارح وقایہ، صاحب نہایہ اور دیگر فقہاء نے سلف صالحین کی تفسیر صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کی ہے۔ (شرح وقایہ ۴/ ۲۱۸)

(۷) عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر وقایہ میں باب صفۃ الصلاۃ اور شرح وقایہ میں باب الاذان کے تحت آیا ہے، آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے، اور عظیم خصوصیات وامتیازات اور فضائل کے حامل ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین، لاٹھی، تکیہ اور وضو کا پانی مسلسل اپنے ساتھ لیے رہتے تھے اور ضرورت کے وقت آپ کو دیتے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۳۷۶۱)

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ، مِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَسَالِمٍ، مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَأُبَيٍّ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.

(بخاری، حدیث نمبر: ۳۸۰۶)

چار شخصوں سے قرآن مجید سیکھو: ابن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔

پہلا نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا لیا، اس سے آپ کی دوہری فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (تحفۃ القاری ۷/ ۲۶۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں تحدیث بالنعمہ کے طور پر کہتے تھے: میں قرآن مجید کے علوم سے زیادہ واقف ہوں، چنانچہ مسلم شریف میں یہ حدیث مذکور ہے:

وَلَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنِّي أَعْلَمُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَنَّ أَحَدًا أَعْلَمُ مِنِّي لَرَحَلْتُ إِلَيْهِ. قَالَ شَقِيقٌ: فَجَلَسْتُ فِي حَلَقِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرُدُّ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَلَا يَعِيبُهُ. (مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۶۲)

صحابہ کرام اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ میری (عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ) قرآن مجید کے علوم پر بہت گہری نظر ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں مجھے یہ بات معلوم ہوتی کہ وہ کتاب اللہ کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہے تو ضرور حصول علم کے ارادہ سے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا، راوی (شفیق رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں: مجھے کثرت سے اصحاب رسول کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہے؛ لیکن میں نے کسی بھی صحابی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے نہیں سنا۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ صاحبہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں اتنی کثرت سے آنا جانا تھا کہ بعض صحابہ کرام یہ خیال کرنے لگے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانوادہ میں سے ہیں۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۳۷۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علم وفہم، اور عقل و دانش میں منفرد اور ممتاز مقام رکھتے تھے، حجاز، عراق اور شام کے علماء پیچیدہ اور مشکل مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، حتی کہ بعض صحابہ سے آپ کے بارے میں یہ کہنا بھی منقول ہے:

لَاتَسْأَلُونِي مَادَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ.

(بخاری، حدیث نمبر: ٦٧٣٦)

جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں اس وقت تک کوئی مسئلہ مجھ سے مت پوچھو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کے بیت المال کا ذمہ دار بنایا تھا، خلافت عثمانی میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور ساٹھ سال کی عمر میں سنہ ۳۲ یا ۳۳ھ میں مدینہ ہی میں وفات پائی، ایک قول یہ ہے کہ آپ نے کوفہ میں وفات پائی ہے، یہ ضعیف قول ہے۔

(مرآۃ الجنان ۱/ ۸۸)

(۸) ابوجعفر ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الطہارۃ میں ماء

جاری کی بحث کے تحت آیا ہے، آپ کی کنیت: ابوجعفر، اور نام: محمد بن عبداللہ بن محمد بلخی ہندوانی ہے، ہندوان (ہا کا کسرہ، دال کا ضمہ اور ان کے درمیان کے نون کو سکون کے ساتھ پڑھا جائے) شہر بلخ کے کسی گاؤں کا نام ہے، یہاں متحدہ ہندوستان سے غلام اور باندیاں لائے جاتے تھے۔

ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ فقہائے احناف میں بلند پایہ کے امام وفقیہ تھے، فقہ وحدیث میں ان کی جلالت شان کی وجہ سے ان کو ابوحنیفہ الصغیر کہا جاتا تھا، زہد وتقوی میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، بخاریٰ میں ۳۶۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (کشف الظنون ۶/۳۸)

(۹) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، میں (عبدالحی لکھنوی) نے آپ کی سوانح حیات کو مقدمۃ الہدایۃ (۲/۵) النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر (ص: ۳۸) مقدمۃ التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد (۱/۱۱۸) اور مقدمۃ السعایۃ (۱/۲۷) میں بیان کیا ہے، اور ہر کتاب میں تکرار سے بچتے ہوئے امام صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، نیز میں نے ان کتابوں میں امام صاحب پر کیے گئے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ بھی لیا ہے، یہاں قارئین کے فائدہ کے لئے اختصار کے ساتھ آپ کی سوانح حیات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔

نام ونسب

امام صاحب کا نام نعمان بن ثابت ہے، اور کنیت ابوحنیفہ ہے، آپ کے دادا کے نام میں اختلاف ہے:

(۱) بعض حضرات نے نعمان لکھا ہے۔

(۲) بعض حضرات نے زوطی لکھا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے طاؤس لکھا ہے۔

اسی طرح پردادا کے نام میں بھی اختلاف ہے، بعض حضرات نے ھرمز بتایا ہے، جب کہ بعض نے مرزبان بتایا ہے۔

آپ کے دادا کابل یا بابل کے باشندے اور بنو تیم اللہ کے غلام تھے، اللہ نے آپ کے والد ماجد کو قبول اسلام کی توفیق دی، اور بچپن میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے، آپ نے ان کے اور ان کے اولاد کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

نحن مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسِ الأَحْرَارِ، وَاللهِ مَا وَقَعَ عَلَيْنَا رِقٌّ قَطُّ. (سیر اعلام النبلاء ۶/ ۳۸)

ہم فارسی النسل ہیں، خدا کی قسم! ہمارا خاندان کبھی غلام نہیں تھا۔

ولادت اور وفات

ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ نے وفیات الاعیان میں، مزی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الکمال میں اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت سنہ ۸۰ھ اور وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے، آپ کی نماز جنازہ میں اتنے لوگوں نے شرکت کی کہ مجبوراً پانچ مرتبہ آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، قاضی القضاۃ اور دیگر بڑے علماء نے آپ کو غسل دیا، اور قاضی القضاۃ نے آپ کے بارے میں کہا:

رَحِمك الله وَغفر لَك لم تفطر مُنْذُ ثَلَاثِينَ سنة وَلم تتوسّد يَمِينك فِي اللَّيْل مُنْذُ أَرْبَعِينَ سنة.

(وفیات الاعیان ۵/ ۴۱۳)

اللہ آپ کی تربت کو آماجگاہ رحمت بنائے، آپ نے تیس سال روزے رکھے اور علوم شرعیہ اور عبادات میں انہماک کا یہ حال تھا کہ آپ رات میں چالیس سال تک نہیں سوئے۔

اساتذہ

آپ کو ۶۵/ سے زائد نامور اور نوابغ روزگار علماء سے شرف تلمذ حاصل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور ان کے تربیت یافتہ حضرت نافع، موسی بن ابی عائشہ، حماد بن ابی سلیمان، ابن شہاب زہری، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام عکرمہ، عبداللہ بن دینار، عبدالرحمن بن ہرمز اعرج، ابراہیم بن محمد بن منتشر، جبلہ بن سحیم، قاسم مسعودی، عون بن عبداللہ، علقمہ بن مرثد، علی بن اقمر، عطاء بن ابی رباح، قابوس بن ابی ظبیان، خالد بن علقمہ، سعید بن مسروق ثوری، سلمہ بن کہیل، سماک بن حرب، شداد بن عبدالرحمن، ربیعہ بن ابی عبد الرحمن، ابوجعفر محمد باقر، اسماعیل بن عبدالملک، حارث بن عبدعبد الرحمن، حسن بن عبداللہ، حکم بن عتیبہ، طریف بن سفیان سعدی، عامر شعبی، عبدالکریم بن ابی امیہ، عطاء بن سائب، محارب بن وثار، محمد بن سائب، معن بن عبدالرحمن، منصور بن معتمر، ہشام بن عروہ، یحیی بن سعید، ابوزبیر مکی، اور دیگر بڑے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے علم حاصل کیا۔ (تہذیب الکمال)

تلامذہ

آپ کے چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علوم نبوت نے اپنی علمی پیاس بجھائی، آپ کے تلامذہ میں نامور اور چوٹی کے علماء، فقہاء اور محدثین ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

امام زفر، حسن بن زیاد، ابومطیع بلخی، محمد بن حسن، امام ابو یوسف، وکیع بن جراح، عبداللہ بن مبارک، زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث نخعی، صوفیہ کے رئیس داود طائی، یوسف بن خالد سمتی، اسد بن عمر، نوح بن ابی ابراہیم رحمۃ اللہ علیہم، اور دیگر عظیم ہستیاں جن کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے الاثمار الجنیۃ فی طبقات الحنفیہ میں ذکر کیا ہے۔ (۱۳/ب-۱۹/أ)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تابعیت

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ کو صحابہ کرام سے ملاقات اور زیارت کا شرف

حاصل نہیں ہے، یہی حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔(تقریب التھذیب، ص: ۴۹۴) لیکن اکثر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ جب آپ کوفہ آئے تو کئی مرتبہ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هذا هو الصحيح الذي ما سواه إلا غلطا.

(عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ ۱ / ۱۵۳)

یعنی یہ بات قطعی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کی زیارت کی ہے اور اس کے علاوہ جو بات بھی کہی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

یہی خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن جوزی، نووی، امام ذہبی، ولی عراقی، ابن حجر مکی، سیوطی، رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین عظام کی رائے ہے، میں (عبدالحی لکھنوی) نے ان محدثین کی عبارات کو إقامۃ الحجۃ علی أن الاکثار فی التعبد لیس ببدعۃ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ہمارے زمانہ کے بعض علماء "ابجد العلوم" کی ایک عبارت بطور حوالہ پیش کرتے ہیں جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ امام صاحب کو کسی صحابی سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہے۔

إنه لم يرأحدا من الصحابة باتفاق أهل الحديث،
وإن عاصر بعضهم على رأي الحنفية. (۳/۶۳۶)

یعنی محدثین کا اتفاق ہے کہ امام صاحب کو کسی صحابی سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہے، گو کہ آپ نے احناف کے بقول صحابہ کرام کا زمانہ پایا ہے۔

یہ بات بالکل واقع کے خلاف ہے، جیسا کہ میں (عبدالحی لکھنوی) نے اس بات کو ابراز الغی الواقع فی شفاء العی میں ثابت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ روایت احادیث میں معتبر و معتمد علیہ ہیں

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

إن يحيى بن معين قال فيه: لا بأس به لم يكن متهما.

امام صاحب روایت حدیث میں ثقہ ہیں، جھوٹ، غیبت اور بہتان تراشی سے آپ کا دامن محفوظ ہے۔

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ جو کہ جرح وتعدیل کے امام ہیں، ان کی جانب سے یہ جملہ (لا بأس به لم يكن متهما) " ثقة " (معتبر، معتمد علیہ) کے قائم مقام ہے، اس لفظ سے راوی کی تقوی وللّٰہیت اور خلوص نیت کے ساتھ علم حدیث میں اس کا بلند مقام مراد لیا جاتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے، اور میں (عبد الحی لکھنوی) نے بھی اس بات کو اپنے رسالہ **السعی المشکور فی رد المذھب المأثور** میں ثابت کیا ہے، اس رسالہ میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو حج کرتے ہیں اور محسن انسانیت ورشد وہدایت کے امام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ یہ فتوی دیتے ہیں آپ کے روضہ اطہر کی زیارت بدعت اور حرام ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

أَبُو حَنِيفَةَ رَوَى عَنْهُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَهُشَيْمٌ، وَوَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، وَعَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، وَجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ لَا بَأْسَ بِهِ۔

(مکانۃ الامام ابی حنیفۃ ۱/۱۳۱)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ائمہ کرام نے احادیث لی ہیں: امام ثوری، عبد اللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام اور جعفر بن عون رحمۃ اللہ علیہم، امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ روایت احادیث میں معتبر اور معتمد علیہ ہیں۔

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

هو حسن الرأي. (الانتقاء، ص: ۱۹۷)

ایک مرتبہ یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے:

أَصْحَابُنَا يُفْرِطُونَ فِي أَبِي حَنِيفَةَ وأصحابه. فقيل له: أكان يكذب؟ قال: لا.

احناف امام صاحب اور آپ کے شاگردوں کی تعریف میں بہت ہی مبالغہ کرتے ہیں، کسی نے سوال کیا: کیا وہ جھوٹ بولتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، آپ کا دامن اس سے محفوظ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور روایت حدیث

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث بہت زیادہ یاد ہونے کے باوجود روایتیں اگرچہ آپ کی سند سے بہت کم ہیں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو فن حدیث سے مناسبت نہیں تھی؛ بلکہ مناسبت کیا؟ آپ فن حدیث میں بلند مقام پر فائز تھے۔

مؤرخ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض متعصب لوگوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ بعض ائمہ کے پاس حدیث کا سرمایہ بالکل ہی تھوڑا تھا، وہ قریب قریب تہی دست تھے، ائمہ کی شان میں اس قسم کی بدگمانی رکھنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے؛ کیوں کہ شریعت کا ماخذ قرآن مجید اور سنت ہے، اگر کسی کے پاس حدیث کا سرمایہ کم ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا سرمایہ اور روایات بڑھائے، اور اس سلسلہ میں اپنی راحت وآرام کو قربان کردے؛ تاکہ دین صحیح اصول سے اور احکام کو احکام والے اصل مبلغ سے سیکھ سکے۔

اگر کسی امام سے کم روایتیں منقول ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اتنی ہی روایتوں سے واقف تھا؛ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس امام کے قبول حدیث میں مقرر کردہ اصول وضوابط پر اتنی ہی صحیح حدیثیں اتری تھیں، اور اکثر محدثین کے یہاں یہ مسلم اصول ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتا ہے، کسی امام کا اجتہاد یہی چاہتا ہے کہ جن احادیث میں یا

ان کے طرق اسانید میں کوئی ضعف ہو وہ نا قابل قبول ہے اور اکثر احادیث میں مطاعن وعلل پائے جاتے ہیں؛ اس لیے ان کی روایتیں کم ہوتی ہیں؛ کیوں کہ جتنی کڑی شرطیں ہوں گی اتنی ہی روایات میں قلت ہوگی۔ علاوہ ازیں عراقیوں کی بنسبت حجازیوں کی روایات زیادہ ہیں؛ کیوں کہ مدینہ دارالہجرت اور اکثر صحابہ کرام یہاں موجود تھے، اور جو صحابہ مدینہ سے عراق چلے گئے وہ زیادہ تر جہاد ہی میں مشغول رہتے تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایتیں محض اس لیے کم ہیں آپ نے احادیث کو نقل کرنے میں کڑی شرطیں لگائی تھیں، اگر کسی یقینی حدیث سے ذاتی فعل ٹکراجاتا تو امام صاحب اسے بھی ضعیف قرار دے کر چھوڑ دیتے تھے؛ اسی وجہ سے آپ سے روایات کم ہیں، یہ بات نہیں ہے کہ کہ آپ نے معاذ اللہ جان بوجھ کر حدیث کی روایت چھوڑ دی ہو۔

(مقدمۃ ابن خلدون، ص: ۳۱۲)

مواہب اللدنیہ اور مؤطا وغیرہ میں امام صاحب سے منقول روایات کی تعداد میں متعدد اقوال بیان کیے گئے ہیں:

(۱) امام صاحب کی روایات پانچ سو ہیں۔

(۲) امام صاحب کی روایات سات ہیں۔

(۳) امام صاحب کی روایات ایک ہزار سے کچھ زائد ہیں۔

(۴) امام صاحب کی روایات ایک ہزار سات سو ہیں۔

(۵) امام صاحب کی روایات چھ سو چھیاسٹھ ہیں۔

مطبوعہ تاریخ ابن خلدون میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ امام صاحب سے منقول روایتوں کی تعداد صرف سترہ ہے۔ (مقدمۃ ابن خلدون، ص: ۳۱۱)

اس زمانہ میں ایک مخصوص مکتب فکر کی جانب سے اس بات کو بہت زور شور سے اٹھایا جارہا ہے اور صاف شفاف خالی الذہن عوام کو باور کرایا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں طفل مکتب بھی نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ علم حدیث میں ان کا مبلغ علم کل

سترہ حدیثیں تھیں، انہوں نے تمام مسائل قیاس کی مدد سے اختراع کیے ہیں، نعوذ باللہ من ذلک۔

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہر زمانہ کے جاہلوں اور فاسقوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ دیندار علماء اور ائمہ مجتہدین کے مقام و مرتبے کو داغ دار کیا جائے، ان کے احترام کو پامال کیا جائے، ان کی ثقاہت و عدالت کو مجروح کیا جائے اور سادہ لوح عوام کو ان سے متنفر کیا جائے، جیسے انبیاء کرام کی تعلیمات کو ٹھکرانے والوں نے ان کے ساتھ ایسی ناپاک سازشیں رچی ہیں۔

لیکن تعجب ہے ان علماء پر جو بغیر تحقیق کے اس انتہائی گھٹیا بات کو نقل کرتے ہیں اور جب کوئی جاہل متعصب اس بات کو کہتا ہے تو وہ سر جھکائے خاموش رہتے ہیں، اس کی تردید نہیں کرتے ہیں، دیکھو! صدیق حسن خان صاحب نے اس بات کو اپنی کتاب الحطۃ بذکر الصحاح الستۃ میں نقل کیا ہے اور اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر آگے نکل گئے، حد ہو گئی ،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعض متبعین نے اس بات کو خوب زور و شور سے پھیلایا اور عوام الناس کو امام صاحب سے متنفر کرنے کی ناروا کوشش کی، جب کہ عالم بالخصوص وہ جس کی علوم شرعیہ پر گہری نظر ہے ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب وہ ایسی بات کو اپنی کتاب میں نقل کریں تو واضح اور سخت الفاظ میں مدلل اس کی تردید بھی کریں۔

اب آیئے! علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب کی طرف جو یہ بات منسوب کی ہے کہ امام صاحب سے صرف سترہ روایتیں منقول ہیں اس کا ہم تحقیقی جائزہ لیتے ہیں:

(۱) اگر یہ فرض کیا جائے کہ یہ بات علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ ہی نے لکھی ہے، کسی متعصب کاتب یا ناشر نے اپنی طرف سے اس بات کو نہیں لکھا ہے تو ہم جواب میں یہ کہیں گے: یہ بات ان ثقہ اور معتمد علیہ حضرات کے خلاف ہے جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کی تعداد کو بیان کیا ہے، کیا یہ ناانصافی اور تعصب نہیں ہے کہ اتنے ثقہ اور معتبر حضرات کی بات کو رد کیا جائے اور علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو قبول کیا جائے؟

(۲) ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کو اگرچہ تاریخی امور میں بڑی مہارت ہے؛ لیکن ان کو علوم

شرعیہ میں مہارت نہیں ہے، جیسا کہ امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ان کی سوانح حیات میں لکھی ہے۔ (الضوء اللامع فی أعیان القرن التاسع ۴ / ۱۴۵) لہٰذا ان کی یہ بات کیسے قابل قبول ہوگی؛ کیوں کہ جس شخص کی علوم شرعیہ پر گہری نظر نہیں ہے وہ امور نقلیہ میں ائمہ مجتہدین کے مقام و مرتبے میں امتیاز نہیں کرسکتا۔

(۳) ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو لفظ "یقال" سے بیان کیا ہے اور بالعموم اس لفظ سے ضعیف اور مرجوح قول کو ذکر کیا جاتا ہے، لہٰذا دعوی میں بطور دلیل اس عبارت کو پیش کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

(۴) تاریخی کتابوں میں تاریخی امور اور نقل شدہ حکایات کو عقل کے ترازو پر رکھنا ضروری ہے، اور جو باتیں دلائل عقلیہ یا نقلیہ سے متصادم ہو اس کو قبول نہ کیا جائے؛ اس بات پر دلیل مؤرخ کبیر علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ہے:

الإخبار إذا اعتمد فيها على مجرد النقل، ولم تحكم أصول العادة، وقواعد السياسة، وطبيعة العمران والأحوال في الاجتماع الإنساني، ولا قيس الغائب منها بالشاهد، والحاضر بالذاهب، فربما لم يؤمن فيها من العثور، ومزلة القدم والحيد عن جادة الصدق.

وكثيرا ما وقع للمؤرخين والمفسرين وأئمة النقل المغالط في الحكايات والوقائع؛ لاعتمادهم فيها على مجرد النقل غثا أو سمينا لم يعرضوها على أصولها، ولا قاسوها بأشباهها، ولا سبروها بمعيار الحكمة، والوقوف على طبائع الكائنات، وتحكيم النظر والبصيرة في الأخبار.

فضلوا عن الحق، وتاهوا في بيداء الوهم والغلط، سيما في إحصاء الأعداد من الأموال والعساكر إذا عرضت في الحكايات، إذ هي مظنة الكذب ومطية الهذر، ولا بد من عرضها على الأصول، وعرضها على القواعد.

(مقدمۃ ابن خلدون، ص: ۷)

اگر خبروں میں محض نقل پر اعتماد کیا جائے اور اصول عادت، قواعد سیاست، مدنیت کی طبیعت، اور معاشرے کے حالات کو معیار نہ بنا جائے اور موجود کا غیر موجود پر اور حاضر کا غائب پر قیاس نہ کیا جائے تو ان میں بہت سی لغزشوں، غلطیوں اور راہ راست سے ہٹ جانے کا امکان باقی رہتا ہے، چنانچہ مؤرخین، مفسرین اور ائمہ نقل کو حکایات و واقعات میں بہت غلطیاں محض اس لیے پیش آئیں کہ انہوں نے صرف نقل پر اکتفا کرلیا خواہ صحیح ہو یا غلط، اور واقعات میں ان کے اصول وضوابط کو معیار نہیں بنایا، اشباہ ونظائر پر قیاس نہیں کیا، نہ انہیں حکمت وفلسفہ کی کسوٹی پر رکھا ،اور نہ کائنات کی طبیعتوں پر پرکھا اور نہ اپنی عقل وخرد اور خداداد صلاحیت کا استعمال کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح راہ کھو بیٹھے اور اوہام واغلاط کے میدان میں حیراں وسرگرداں بھٹکتے رہ گئے، خصوصا اموال وفوج کی تعداد میں تو بے شمار غلطیوں کا شکار ہوئے جب ان کا حکایات میں ذکر آیا؛ کیوں کہ حکایات میں جھوٹ کا بہت احتمال ہے اور لغویات کی کافی گنجائش ہے؛ اس لیے حکایات کو اصول وقواعد پر پرکھنا نہایت ضروری ہے۔

جب آپ نے علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت کو پڑھ لیا تو اب سمجھیے

کہ یہ بات (امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایات کی تعداد صرف سترہ ہیں) کئی وجوہ سے دلائل قطعیہ اور واقع کے خلاف ہے:

(۱) جو شخص امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا، کتاب الحج، کتاب الآثار، السیر الکبیر، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخراج اور امام صاحب کے وہ تلامذہ جنہوں نے احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے وہ ان کتابوں میں امام صاحب کی روایات سو سے زائد؛ بلکہ دو سو سے زائد پائے گا۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف جیسے: شرح معانی الآثار، مشکل الآثار اور دیگر کتابوں میں امام صاحب کی بہت سی روایات صحیح سند کے ساتھ نقل کی گئی ہیں۔

(۳) یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام کے آخری دور کو پایا ہے اور اس دور میں علوم شرعیہ کی تعلیم اور احادیث نبویہ کو نقل کرنے کا بہت اہتمام تھا، اور اس دور کے اصاغر تابعین سے کثرت سے احادیث منقول ہیں، تو کیا یہ بات عقل کے خلاف نہیں ہے کہ یہ کہا جائے: امام صاحب سے صرف سترہ احادیث منقول ہیں؟

(۴) فقہاء، محدثین اور مؤرخین؛ بلکہ تمام معتبر علماء کا اجماع ہے کہ امام صاحب مجتہد مطلق تھے، اور ان کے اجماع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام اور تابعین عظام سے کثرت سے احادیث محفوظ کی ہیں؛ اس لیے کہ جس شخص نے صرف سترہ احادیث محفوظ کی ہیں اس کو کیسے مجتہد کہا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام صاحب مجتہد نہیں تھے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ وہ پرلے درجہ کا جاہل اور احمق ہے، چاہے اس کو بڑا عالم سمجھا جائے۔

(۵) تمام فقہاء اور محدثین عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب کا شمار

نامور فقہاء میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں کہا:

انَّ النَّاسَ فی الفِقْهِ عیال علی الإِمَام أَبِی حَنِیفَة.

(شامی ۱/ ۶۳)

لوگ فن فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خوشہ چیں ہیں۔

اور عوام وخواص؛ بلکہ اخص الخواص بھی آپ کو عراق کا فقیہ جو کہ اس دور میں یہ بڑا لقب تھا، کہا کرتے تھے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فقیہ اسی شخص کو کہا جا سکتا ہے جس میں استنباط اور اجتہاد کی اعلیٰ صلاحیت ہو، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جس مقلد میں اجتہادی صلاحیت نہیں ہے وہ فقیہ نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس کو ناقل کہا جائے گا، اب اگر امام صاحب نے صرف سترہ احادیث محفوظ کی ہیں تو ان کو فقیہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں اتنی بڑی بات کہ لوگ فن فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چیں ہیں، کیسے کہہ سکتے ہیں؟

(۶) عبادات اور معاملات کے فروعی مسائل امام صاحب سے بے شمار منقول ہیں، اور ان تمام مسائل کو آپ کے تلامذہ نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے، جیسے: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی چھ مشہور کتابیں: جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط اور زیادات، اسی طرح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار، کتاب الحجج، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخراج اور الامالی نیز حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی مجرد وغیرہ۔

یہ تمام مسائل قرآن مجید میں ذکر نہیں کیے گئے ہیں، اجماع سے بھی ثابت نہیں ہیں اور اکثر مسائل تو ایسے ہیں کہ ان کا حکم قیاس کے ذریعہ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا، اب ذرا اپنی عقل سے سوچیں کہ جس شخص نے صرف سترہ احادیث محفوظ کی ہیں وہ کیسے ان بے شمار مسائل کے احکام مستنبط کرے گا؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ گو کہ امام صاحب کے پاس احادیث کا بڑا سرمایہ تھا؛ لیکن آپ سے صرف سترہ احادیث سنی گئی ہیں؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں آپ کے دور میں مدون نہیں تھیں اور احادیث کا ذخیرہ جمع کرنے کا صرف یہ ذریعہ تھا کہ ماہرین شریعت سے احادیث سنی جائے اور ان کو یاد کیا جائے۔

(۷) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق آپ کے اساتذہ چار ہزار ہیں، صاحب تہذیب الکمال اور دیگر فن جرح وتعدیل کے ائمہ نے آپ کے ستر نامور اساتذہ کے نام لیے ہیں، اگر یہ فرض کیا جائے آپ نے ہر استاذ سے صرف ایک حدیث سنی ہے تو آپ کی مرویات ستر یا چار ہزار ہوتی ہیں۔

(۸) جس شخص کو صرف سترہ احادیث یاد ہوں وہ ہرگز محدث نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ اس کو حفاظ احادیث میں شمار کیا جائے، باوجود کہ آپ کو حفاظ احادیث میں شمار کیا گیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ گو کہ امام صاحب کو حفاظ احادیث میں شمار کیا گیا ہے؛ لیکن آپ درحقیقت حافظ حدیث نہیں تھے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ائمہ جرح وتعدیل جن میں امام ذہبی، حافظ ابن حجر، علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نوابغ روزگار شخصیات سے اعتماد ختم ہو جائے گا؛ اس لیے یہ شک ایسے شخص پر بھی کیا جا سکتا ہے جن کو ان ارباب کمال نے حفاظ احادیث میں شمار کیا ہے۔

(۹) مقدمہ ابن خلدون میں جو یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صرف سترہ احادیث منقول ہیں، ہمارا ماننا ہے کہ یہ بات ہرگز علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں لکھی ہے؛ بلکہ کسی جاہل متعصب یہ بات اپنی طرف سے بڑھائی ہے اور اگر بالفرض علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ ہی نے یہ بات لکھی ہے تو ان سے سہو ہوا ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسی کتاب میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کے بڑے ائمہ میں شمار کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس بات (امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صرف سترہ احادیث منقول ہیں) کی تردید ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، اور اس بات کے موضوع ہونے پر محدثین، فقہاء اور معتمد علیہ علماء کا اجماع بھی ہے، اس کے باوجود کوئی شخص یہی کہے کہ امام صاحب کو حدیث پاک سے مناسبت نہیں تھی اور آپ کے مقام ومرتبہ کو داغ دار کرنے کی کوشش کرے تو وہ ہٹ دھرم، ضدی اور پرلے درجہ کا جاہل واحمق ہے اور یہ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ ماضی میں رئیس المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا گیا کہ ان سے صرف بیس یا چوبیس احادیث منقول ہیں اور وہ فقہاء ومجتہدین میں سے نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کی نظر میں

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں امام نووی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی، امام ذہبی، علامہ یافعی، علامہ شعرانی، امام مزی اور دیگر اساطین علم وفضل رحمۃ اللہ علیہم نے امام صاحب کی عظمت شان، جلالت مکان اور علمی تبحر کا کھلے دل اعتراف کیا، آپ کی خدمات اور کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اگر آپ کی شان میں کہے گئے مدحیہ جملوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوجائے گی، اس لیے ہم بعض عبقری شخصیات کے اقوال کو نقل کرتے ہیں:

(۱) عبداللہ بن رقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَلَّمَ اِبْنُ هُبَيْرَةَ ابَا حَنِيفَةَ أَنْ يَلِيَ قَضَاءَ الْكُوفَةِ، فَأَبَى فَضَرَبَهُ مِائَةَ سَوْطٍ وَعَشَرَةَ أَسْوَاطٍ، فِي كُلِّ يَوْمٍ عَشَرَةَ أَسْوَاطٍ، ثُمَّ خَلَّاهُ. (مكانة الامام ابي حنيفة في الحديث ۱/۹۵)

ابن ہبیرہ بنوامیہ کے زمانہ میں عراق کا گورنر تھا، اس شخص نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ کے قضا کا عہدہ پیش کیا؛ لیکن آپ نے سختی سے انکار کردیا، اس ظالم نے اس معمولی بات پر آپ کو سو

کوڑے لگائے، اس کے باوجود آپ نے اس عہدہ کو قبول نہیں کیا، بالآخر اس نے آپ کو رہا کر دیا۔

خارجہ بن بدیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَعَا الْمَنْصُورُ أَبَا حَنِيفَةَ إِلَى الْقَضَاءِ فَامْتَنَعَ، فَقَالَ: أَتَرْغَبُ عَمَّا نَحْنُ فِيهِ! فَقَالَ: لا أَصْلُحُ، قَالَ: كَذَبْتَ، قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: فَقَدْ حَكَمَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيَّ أَنِّي لا أَصْلُحُ، فَإِنْ كُنْتُ كَاذِبًا فَلا أَصْلُحُ، وَإِنْ كُنْتُ صَادِقًا فَقَدْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنِّي لا أَصْلُحُ، فَحَبَسَهُ.

(سیر اعلام النبلاء ۶ / ۴۰۴)

ابو جعفر منصور نے امام صاحب کو عہدہ قضا کی پیشکش کی؛ لیکن آپ نے انکار کر دیا، اس نے اس معمولی بات پر آپ کو جیل میں قید کر دیا، پھر اس نے امام صاحب کو اپنے دربار میں بلایا اور کہنے لگا: تمہاری اتنی جرءت کہ ہماری بات کو مسترد کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا: امیر المومنین! مجھ میں اس عظیم عہدہ کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام نہیں دینے کی اہلیت نہیں ہے، ابو جعفر کہنے لگا: آپ نے خلاف واقع بات کہی ہے، پھر اس نے دوسری مرتبہ عہدہ قضا کی پیشکش کی، امام صاحب نے کہا: جب میں نے امیر المومنین سے کہا کہ مجھ میں عہدہ قضا کی مفوضہ ذمہ داریوں کو انجام دینے کی اہلیت نہیں ہے تو اس نے مجھے کاذب (جھوٹا) کہا، اگر میں کاذب ہی ہوں تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں ہوں اور اگر میں صادق ہوں تو بتا دیا ہوں کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں ہوں۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَجُلاً فَقِيهًا مَعْرُوفًا بِالْفِقْهِ، مَشْهُورًا بِالْوَرَعِ، وَاسِعَ الْمَالِ، مَعْرُوفًا بِالْإِفْضَالِ عَلَى كُلِّ مَنْ يَطِيفُ بِهِ، صَبُورًا عَلَى تَعْلِيمِ الْعِلْمِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، حَسَنُ اللَّيْلِ كَثِيرُ الصَّمْتِ، قَلِيلُ الْكَلَامِ، حَتَّى تَرِدَ مَسْأَلَةٌ. (مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث ۱/ ۲۴)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مرد فقیہ تھے، ان کی زندگی زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت سے عبارت تھی، ہر صادر و وارد کے ساتھ بہت حسن سلوک کرنے والے، شب و روز صبر کے ساتھ علوم شرعیہ کے مطالعہ میں انہماک، خاموش پسند اور کم سخن تھے، جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو اس کا جواب دیتے۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ صَاحِبَ غَوْصٍ فِي الْمَسَائِلِ.

(مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث ۱/ ۱۰۵)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہی مسائل کی باریکیوں پر نظر رکھنے والے تھے۔

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ فِي الْفِقْهِ مثل أبي حنيفة.

(خلاصۃ تھذیب الکمال ۱/ ۴۰۲)

میں نے فن فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا عالم نہیں دیکھا۔

جعفر بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أقمتُ على أبي حنيفة خمس سِنِين فَمَا رَأَيْت أطول

صَمتاً مِنْهُ فَإذا سُئِلَ عَنِ الْفِقْه تفتّح وسال كالوادي.(الوافی بالوفیات ۲۷/۹۱)

مجھے پانچ سال امام صاحب کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہے، میں نے اس طویل عرصے میں آپ سے زیادہ خاموش کسی انسان کو نہیں دیکھا، جب آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ پوری تفصیل کے ساتھ مدلل جواب دیتے۔

یحیی بن ایوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة لا ينام الليل.

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پوری رات عبادت و ریاضت اور علو شرعیہ میں گزارتے۔

اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَلَّى أَبُو حَنِيفَةَ فِيمَا حُفِظَ عَلَيْهِ صَلاةَ الْفَجْرِ بِوُضُوءِ الْعِشَاءِ أَرْبَعِينَ سَنَةً. فَكَانَ عَامَّةَ اللَّيْلِ يَقْرَأُ جَمِيعَ الْقُرْآنِ فِي رَكْعَةٍ، وَكَانَ يُسْمَعُ بُكَاؤُهُ بِاللَّيْلِ حَتّى يَرْحَمَهُ جِيرَانُهُ. وَحُفِظَ عَلَيْهِ أَنَّهُ خَتَمَ الْقُرْآنَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ سَبْعَةَ آلافِ مَرَّةٍ.(مناقب الامام ابی حنیفۃ ۱/۲۴)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے، آپ رات میں بالعموم قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور دوران تلاوت روتے، حتی کہ آپ کے رونے کی آواز پڑوسیوں کو سنائی دیتی، آپ نے اپنی وفات کی جگہ سات ہزار مرتبہ قرآن مجید کو ختم کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَمْشِي مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذْ سَمِعْتُ رَجُلًا، يَقُولُ لآخَرَ: هَذَا أَبُو حَنِيفَةَ لا يَنَامُ اللَّيْلَ، فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: وَاللهِ لا يَتَحَدَّثُ عَنِّي مَا لا أَفْعَلُ! فَكَانَ يُحْيِي اللَّيْلَ صَلاةً وَدُعَاءً وَتَضَرُّعًا. (مناقب الامام ابی حنیفۃ ۱/۲۱)

میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کہیں جارہا تھا کہ کسی آدمی نے آپ کے بارے میں کہا: یہ وہ عظیم شخصیت ہے جو پوری رات عبادت وریاضت میں مصروف رہتی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جس کو میں نہیں کرتا ہوں، (امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) صحیح بات یہ ہے کہ آپ پوری رات نوافل واذکار، دعا اور تعلق مع اللہ میں مصروف رہتے۔

مسعر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَرَأَيْتُ رَجُلا يُصَلِّي فَاسْتَحْلَيْتُ قِرَاءَتَهُ، فَوَقَفْتُ حَتَّى قَرَأَ سَبْعًا، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ، ثُمَّ بَلَغَ الثُّلُثَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ، ثُمَّ بَلَغَ النِّصْفَ، فَلَمْ يَزَلْ عَلَى حَالِهِ حَتَّى خَتَمَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ أَبُو حَنِيفَةَ. (مناقب الامام ابی حنیفۃ ۱/۲۲)

میں کسی دن رات میں مسجد میں داخل ہوا، میری نظر ایک شخص پر پڑی جو نماز میں قرآن مجید پڑھے جارہا تھا حتی کہ اس نے پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ لیا، اور یہ کوئی عام آدمی نہیں تھا؛ بلکہ فقہاء ومحدثین کے مرجع امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

زائدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صليت مَعَ أبي حنيفة فِي مَسْجده عشَاء الْآخِرَة وَخرج النَّاس وَلم يعلم أَنِّي فِي الْمَسْجِد وَأَرَدْت أَن أسأله عَن مَسْأَلَة من حَيْثُ لَا يراني أحد قَالَ فَقَامَ فَقَرَأَ وَقد افْتتح حَتَّى بلغ إِلَى هَذِه الْآيَة {فَمن الله علينا ووقانا عَذَاب السمُوم} فأقمت فِي الْمَسْجِد انْتظر فَرَاغه فَلم يزل يُرَدِّدهَا حَتَّى أذن الْمُؤَذّن لصَلَاة الْفجْر • (اخبار ابی حنیفہ ۱ / ۵۴)

میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد میں عشاء کی نماز ادا کی، تمام لوگ سنت ونوافل کی ادائیگی کے بعد مسجد سے نکل گئے، میں (زائدہ) مسجد ہی میں کسی جگہ چھپ گیا، امام صاحب نماز کے لیے کھڑے ہوئے، اور بلند آواز سے قراءت کرنے لگے اور جب اس آیت "فمن الله علينا ووقنا" (اللہ سبحانہ وتعالی نے ہمیں محض اپنے فضل وکرم سے دوزخ کے عذاب سے بچالیا) پر پہنچے تو اس آیت کو فجر کی اذان تک بار بار پڑھتے رہے۔

وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة عظيم الأمانة، وكان يؤثر رضاء الله على كل شيئ، ولو أخذته السيوف لاحتملها.

(تہذیب الاسماء واللغات ۲ / ۲۸۸)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے امانت دار تھے، ہر چیز میں اللہ کی رضا وخوشنودی کو ترجیح دیتے تھے، اور اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

مَا أبعده (اباحنیفة) عَن الْغَیْبَة مَا سَمِعت یغتاب عَدو لَهُ قطّ قَالَ هُوَ أَعقل من أَن یُسَلط علی حَسَنَاته من یذهب بهَ. (الجواہر المضیئۃ ۱/۴۸۸)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیبت سے کوسوں دور تھے، میں نے کبھی ان کو دشمن کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا، تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ کوئی ایسی چیز اپنے اوپر مسلط نہیں کرتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضائع کردے۔

ابراہیم بن عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مأرأیت فی عصری کله عالما أورع ولا أزهد ولا أعبد ولا أعلم أبی حنیفة.

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گزار، سب سے زیادہ متقی، اور سب سے بڑے عالم تھے۔

ابن داود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِذَا أَرَدْت الآثَار، فَسُفْیَانَ الثَّوْرِیّ، وَإِذَا أَرَدْت تِلْكَ الدَّقَائِق فأَبُو حَنِیفَةَ. (مناقب الامام ابی حنیفہ ۱/۲۸)

جب تجھے احادیث اور آثار کی ضرورت ہو تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ اور ان کے معانی ومضامین سمجھنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من أراد أن یتبحر فی الفقه فهو عیال علی أبی حنیفة، ومن أراد أن یتبحر فی المغازی فهو عیال علی محمد بن إسحاق، ومن أراد أن یتبحر فی النحو فهو عیال

علی الکسائی.

جو شخص فن فقہ میں مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ ضرور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یا ان کے شاگردوں سے استفادہ کرے، جو شخص فن مغازی میں مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ ضرور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے استفادہ کرے اور جو شخص فن نحو میں مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے استفادہ کرے۔

علامہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْقِرَاءَۃُ عِنْدِیْ قِرَاءَۃُ حَمْزَۃَ وَالْفِقْہُ فقہ أبی حنیفۃ۔

(اخبار ابی حنیفۃ ۱/ ۸۷)

میرے نزدیک فن قراءت میں قراءت حمزہ معتبر ہے اور فن فقہ میں فقہ حنفی معتبر ہے۔

حضرت علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْ وُزِنَ عَقْلُ أَبِی حَنِیفَۃَ بِعَقْلِ نِصْفِ أَھْلِ الأَرْضِ، لَرَجَحَ بِھِمْ۔ (مناقب ابی حنیفۃ ۱/ ۳۷)

اگر بالفرض امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقل کو زمین کے تمام انسانوں کے عقل سے تولا جائے تو ضرور امام صاحب کا پلہ بھاری ہوگا۔

علامہ حفص بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کان أبو حنیفۃ یحیی اللیل بقراءۃ القرآن فی رکعۃ ثلاثین سنۃ. (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۵۲)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پوری رات عبادت و ریاضت میں

مصروف رہتے اور آپ کا تیس سال تک روزانہ ایک رکعت میں
قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔

جو شخص امام صاحب کے علم وعمل، ورع وتقوی، عبادت وریاضت، خشیت الٰہی، ذہانت وفطانت، تواضع وانکساری، جود وسخاوت، بلند نظری، خلق خدا سے ہمدردی وغم خواری، پاکیزہ صحبت اور علماء کی بے غرضانہ خدمت عظیم کے بارے میں مزید جان کاری چاہتا ہے تو وہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کرے:

(۱) معدن الیواقیت الملتمعۃ فی مناقب الائمۃ الاربعۃ
(۲) تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ
(۳) عقود المرجان فی مناقب النعمان
(۴) شقائق النعمان فی مناقب النعمان
(۵) قلائد عقود الدرر والعقیان فی مناقب النعمان
(۶) الروضۃ العالیۃ فی مناقب ابی حنیفۃ
(۷) المواہب الشریفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ
(۸) تحفۃ السلطان فی مناقب ابی حنیفۃ
(۹) الانتصار لامام ائمۃ الانصار
(۱۰) البستان فی مناقب النعمان

ان کے علاوہ محدثین اور نامور علماء کی بے شمار کتابیں ہیں جن میں امام صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سابق میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جو مناقب اور خصوصیات وامتیازات بیان کیے گئے ہیں وہ بغیر حوالہ کے ذکر کیے گئے ہیں؛ لہذا ان کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ تمام مناقب وفضائل ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب

حلیۃ الاولیاء، تاریخ خطیب بغدادی اور معتبر کتابوں میں مذکور ہیں۔

امام صاحب کے یہ مناقب وفضائل صرف احناف نے بیان نہیں کیا ہے کہ ان پر یہ الزام لگایا جائے کہ انہوں نے امام صاحب کی تعریف میں غلو کیا ہے؛ اس لیے کہ یہ مناقب وفضائل محدثین عظام مؤرخین اور تین مشہور مسالک (فقہ شافعی، فقہ مالکی، فقہ حنبلی) کے نامور علماء سے بھی منقول ہیں۔

اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ امام صاحب کا کثرت سے عبادت کرنا، اور ایک ہی رات میں مکمل قرآن کریم پڑھنا بدعت ہے اور اس پر ثواب کیا انسان گنہ گار ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے طریقہ کے مطابق کثرت سے عبادت کرنا بدعت نہیں ہے، جیسا کہ میں نے اس بات کو **إقامة الحجة على أن الاكثار في التعبد ليس ببدعة** میں تفصیل کے ساتھ مدلل بیان کیا ہے، اور اس کو بدعت کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ امام صاحب سے منقول ایسی عبادت وریاضت؛ بلکہ اس سے زیادہ عبادت کرنا بہت سے صحابہ، تابعین ائمہ مجتہدین اور محدثین سے ثابت ہے، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

عثمان، ابن عمر، شداد بن اوس، تمیم داری، عبداللہ بن زبیر، مسروق رضی اللہ عنہم، عبدالرحمن بن اسود، عمرو بن میمون، سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، خالد بن معدان، ابواسحاق سبیعی، وہب بن منبہ، امام محمد باقر، امام زین العابدین علی بن حسین، امام سجاد علی بن عبداللہ، اویس قرنی، قتادہ، ثابت بنانی، صلہ بن اشیم، عروہ بن زبیر، ابن عساکر، خطیب بغدادی، عبدالغنی مقدسی، عمیر بن ہانی، عامر بن عبداللہ، اسود نخعی، مالک بن دینار، منصور بن زاذان، سلیمان تیمی، محمد بن واسع، امام شافعی، ابوبکر بن عیاش، مسعر بن کدام، عبداللہ بن ادریس، ابویوسف قاضی، یحیی بن

سعید قطان، وکیع بن جراح، بشر بن مفضل، یزید بن ہارون، عبدالرحمن بن مہدی، ہناد بن سری، امام اوزاعی، سلیمان بن طرخان، ایوب سختیانی، صفوان بن سلیم، حسن بن صالح، اسماعیل بن عیاش وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف

(۱) الفقہ الاکبر (۲) کتاب الوصیۃ
(۳) کتاب العالم والمتعلم (۴) تاب المقصو دوغیرہ۔

(۱۰) قاضی ابوزید دبوسی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ کتاب الزکاۃ میں آیا ہے، یہ آپ کی کنیت ہے اور نام عبیداللہ بن عمر بن عیسی ہے، آپ کا شمار اکابر فقہائے احناف میں ہوتا ہے، آپ ہی نے سب سے پہلے فن علم جدل کو وضع کیا ہے، نظر وفکر اور نصوص سے دلائل مستنبط کرنے میں ضرب المثل تھے، سنہ ۴۳۰ھ میں بخاریٰ کی خاک کا پیوند ہوئے۔ (الانساب للسمعانی ۲ / ۴۵۴)

(۱۱) ابوسہل غزالی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب الحیض میں آیا ہے، آپ کو ابوسہل فرضی اور ابوسہل زجاجی بھی کہا جاتا ہے، آپ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، آپ نے فقہائے نیساپور سے علم فقہ حاصل کیا ہے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی ہے، آپ کی تصانیف میں کتاب الریاض ہے۔
(کتائب أعلام الاخیار ق ۳۰۹ / ب)

(۱۲) ابوعلی دقاق (المتوفی ۱۳۱۷ھ) رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الطلاق میں آیا ہے، آپ ابوسعید بردعی احمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں اور ابوسعید موسی بن نصر رازی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ (کتائب أعلام الاخیار ق ۹۹ / ب)

(۱۳) ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ، یہ آپ کی کنیت ہے اور نام محمد بن محمد بن محمود ہے، آپ کو امام الہدیٰ بھی کہا جاتا ہے، ماترید سمرقند کے کسی گاؤں کا نام ہے، آپ کا ذکر شرح

وقایہ میں باب زکوۃ السوائم اور باب الوکالۃ بالبیع والشراء میں آیا ہے، آپ کی تصانیف میں کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب رد دلائل الکعبی، (کعبی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے نامور معتزلہ میں سے تھے) کتاب تاویلات القرآن وغیرہ۔

آپ کی وفات سنہ ۳۳۳ھ میں ہوئی ہے، آپ کے اساتذہ میں علی ابی بکر احمد جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (کتائب أعلام الاخیار ۱۰۸/ب)

(۱۴) ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب النکاح میں آیا ہے، یہ آپ کی کنیت ہے اور نام نصر بن محمد بن احمد سمرقندی المعروف امام الہدی ہے، آپ فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد رشید ہیں، آپ کی تصانیف میں تنبیہ الغافلین، البستان، شرح الجامع الصغیر، نوازل، عیون، فتاوی، خزانۃ الفقہ، تفسیر القرآن اور فن فقہ میں آپ کا مشہور مقدمہ بھی ہے، آپ کی وفات کورہ بلخ میں سنہ ۳۷۶ھ میں ہوئی ہے۔ (الاثمار الجنیۃ ق۵۱/ب) نیز آپ کی تاریخ وفات میں تاریخ نگاروں نے کئی اقوال بیان کیے ہیں، میں (عبدالحی لکھنوی) نے ان تمام اقوال کو اپنی کتاب الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں بیان کیا ہے، مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی وفات سنہ ۳۷۳ھ میں ہوئی ہے۔

(۱۵) یعقوب بن ابراہیم کوفی المعروف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، آپ پہلی شخصیت ہیں جنہیں مسلمانوں کا قاضی القضاۃ بنایا گیا، آپ کو بالترتیب تینوں خلفاء (مہدی اور ان کے دو بیٹے: ہادی اور رشید) نے قضاء کے عہدہ پر فائز کیا تھا، خلیفہ رشید آپ کی بے حد تعظیم وتوقیر کرتا تھا، آپ کی عبادت وریاضت میں انہماک کا یہ حال تھا کہ قاضی بنائے جانے کے بعد بھی روزانہ سو رکعت پڑھتے تھے۔

آپ نے فقہ کی تعلیم ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، پھر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلے گئے اور پوری محنت اور جدوجہد کے ساتھ امام صاحب، عطاء بن سائب اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کرام سے علوم عالیہ وآلیہ سے حاصل کیا، آپ امام صاحب کے تلامذہ میں علم وعمل دونوں میں اعلی مقام پر فائز تھے، آپ ہی کے واسطہ سے مشرق و

مغرب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی شہرت ہوئی ہے، آپ کو تفسیر، احادیث اور عرب کے مشہور غزوات بہت یاد تھے، آپ کی سن وفات ۲۸۲ھ ہے۔ (مرآۃ الجنان ۱ / ۳۸۲)

(۱۶) قریش کی ایک مشہور و معروف فیاض و سخی کی صاحبزادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الطہارۃ میں باب الغسل کے تحت آیا ہے، حضرت ام سلمہ اور ان کے شوہر ابوسلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہما کا شمار سابقین صحابہ میں ہوتا ہے، دونوں نے حبشہ ہجرت کیا، پھر وہ دونوں مکہ مکرمہ میں آئے اور مدینہ منورہ ہجرت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۳ھ میں واقعہ بدر کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شوہر کے انتقال کے بعد نکاح کیا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال کی پیکر، پختہ عقل وخرد اور درست و واضح رائے کی مالک تھی۔

(الاصابۃ فی اخبار الصحابۃ ۸ / ۲۲۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات میں متعدد اقوال ملتے ہیں:

(۱) ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسد الغابۃ میں ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی الاستیعاب کے حوالہ سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سن وفات ۵۹ھ ذکر کیا ہے۔

(۲) ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات سنہ ۵۸ھ ہے۔

(۳) ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات سنہ ۶۰ھ ہے۔

(۴) ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات سنہ ۶۱ھ ہے، اور اس قول کی تائید ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَعْنِي فِي الْمَنَامِ، وَعَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ، فَقُلْتُ: مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ آنِفًا۔

(ترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۷۱)

میں (ام سلمہ) نے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں

دیکھا تھا کہ آپ کی داڑھی اور سر مبارک میں گردو غبار لگے ہوئے تھے، اس پر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کی داڑھی اور سر میں گردو غبار لگے ہوئے ہیں، کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ابھی (خواب میں) میں دیکھایا گیا ہے کہ میری امت میرے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرے گی۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا واقعہ حرہ کے زمانہ تک باحیات رہی ہیں اور یہ واقعہ سنہ ۶۳ ھ میں پیش آیا ہے۔

(۱۷) شیخ الاسلام حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن احنف المعروف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں سنن الوضوء اور کتاب الصلوۃ میں آیا ہے، آپ وہ بلند پایہ شخصیت ہیں جن کو اصحاب کمال نے علم حدیث میں اپنا امام ومقتدی تسلیم کیا ہے۔

آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) صحیح بخاری (۲) الادب المفرد (۳) التاریخ الکبیر

(۴) التاریخ الصغیر (۵) کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین

(۶) رسالۃ فی رفع الیدین (۷) رسالۃ فی القراءۃ خلف الامام

آپ کے بے شمار مناقب وفضائل اور امتیازات وخصوصیات ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ تذکرۃ الحفاظ، سیر النبلاء اور دیگر کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے، آپ کے کمال علم وفضل کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کبار محدثین کے ماوی وملجا تھے اور امت میں آپ کی کتاب بخاری شریف اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے نام سے معروف ومشہور ہوئی۔

(۱۸) برہان الاسلام رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب البیوع میں آیا ہے۔

(۱۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، آپ پہلے بنو

ہلال کے کسی شخص کی باندی تھی، ایک قول یہ ہے کہ آپ کسی انصاری شخص کی باندی تھی، جب کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ کی باندی تھی، آقا نے ان کو مکاتب بنایا، پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خریدنے کے بعد آزاد کر دیا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا نام مغیث رضی اللہ عنہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزادی کے بعد یہ اختیار دیا تھا کہ اپنے سابق شوہر کے نکاح میں رہے یا اس سے ترک تعلق کر لے، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس اختیار کو استعمال کیا اور اپنے سابق شوہر سے ترک تعلق کا فیصلہ کیا۔ (بخاری، حدیث نمبر:۲۵۳۶)

ایک واقعہ بھی ان کی طرف منسوب ہے کہ جب انہوں نے اپنے صدقہ کے گوشت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر نہیں رکھا تو آپ نے وہ صدقہ کا گوشت لانے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ تمہارے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(بخاری، حدیث نمبر:۵۹۷)

فقہاء نے اس واقعہ سے بے شمار مسائل مستنبط کیے ہیں۔

(۲۰) ابو العسر فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی رحمۃ اللہ علیہ، (بزدہ کسی جگہ کا نام ہے) آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب النکاح میں آیا ہے، آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن سے میں چند یہ ہیں:

(۱) مبسوط (۲) شرح الجامع الصغیر (۳) جامع کبیر
(۴) تفسیر القرآن (۵) شرح صحیح البخاری

آپ کی وفات سنہ ۴۸۲ھ میں ہوئی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۸ / ۶۰۲)

(۲۱) محدث وقت ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، (ترمذ نہر بلخ کے کنارہ ایک معروف شہر کا نام ہے) آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب سنن الوضوء میں آیا ہے، آپ کی تصانیف میں جامع ترمذی، شمائل اور دیگر کتابیں ہیں، آپ کی سوانح حیات تفصیل کے ساتھ سیر أعلام النبلاء (۱۳ / ۲۸۰) تذکرۃ الحفاظ (۲ / ۶۶۳) اور دیگر کتابوں میں

ذکر کیے گئے ہیں۔

(۲۲) جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الجہاد میں آیا ہے، آپ کا شمار قریش کے نامور شخصیات میں ہوتا ہے، حدیبیہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپ کی وفات سنہ ۵۷ یا ۵۸ یا ۵۹ھ میں ہوئی ہے۔ (اسد الغابۃ ۱/ ۱۷۱)

(۲۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جعفر طیار بن ابو طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الزکاۃ میں آیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي. (بخاری، حدیث نمبر: ۲۶۹۹)

ابو جعفر رضی اللہ عنہ شکل وصورت اور اخلاق وعادات میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اکیس صحابہ کرام کے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں، مکہ میں مسلمانوں کی زندگی دینی ومالی اعتبار سے اجیرن ہونے کی وجہ بعض صحابہ نے حبشہ ہجرت کیا، ان میں جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہاں چند سال امن وسکون اور دعوتی سرگرمیوں میں مصروف رہے، پھر آپ سنہ ۷ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلسل حضر وسفر میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غزوہ موتہ میں بھیجا تھا، جہاں آپ سنہ ۸ھ میں شہید ہوگئے، آپ کے بہت سے مناقب وفضائل ہیں جو کتب سیر اور حدیث میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

رَأَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ.

(ترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۶۳)

میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو (خواب میں) جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۲۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حارث بن عبد المطلب قرشی، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الزکاۃ میں آیا ہے، حافظ محب طبری رحمۃ اللہ علیہ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ میں اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ المواہب اللدنیۃ میں لکھتے ہیں:

عبد المطلب کے تیرہ لڑکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ ان میں سب سے چھوٹے تھے:

(۱) حارث بن عبد المطلب، یہ عبد المطلب کے بڑے صاحب زادے ہیں، اور اپنے والد ماجد کے ساتھ زمزم کی کھدائی میں حصہ لیا تھا اور بعثت نبوی سے پہلے ہی وفات پا گئے، آپ کے پانچ لڑکے ہیں، یہ تمام صحابہ ہیں: ابوسفیان، نوفل، ربیعہ، مغیرہ، عبد اللہ رضی اللہ عنہم۔

(۲) ابو طالب، انہوں نے اور ان کے ایک لڑکے طالب نے اسلام قبول نہیں کیا، باقی تین لڑکے: عقیل، جعفر، علی مرتضی مشرف باسلام ہوئے ہیں رضی اللہ عنہم، اور ان کی بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔

(۳) ابو الحارث زبیر، آپ بعثت نبوی سے پہلے ہی وفات پا گئے، آپ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے سردار اور بڑے اچھے شاعر تھے، آپ کی صاحبزادیوں میں ضباعہ، صفیہ، ام الحکم، ام الزبیر اور ان کے لڑکے عبد اللہ مشرف باسلام ہوئے ہیں رضی اللہ عنہم۔

(۴) ابولہب، یہ وہ بدنصیب شخص ہے جس کے بارے میں قرآن مجید کی ایک مستقل سورت (سورہ تبت) نازل ہوئی ہے، اس کے دو لڑکے: عتبہ اور معتب کو شرف صحابیت حاصل ہے رضی اللہ عنہما۔

(۵) غیداق، ان کا نام مصعب ہے۔

(۶) مقوم (واو کے فتحہ کے ساتھ) یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔

(۷) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، آپ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی، آپ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔

(۸) ضرار (ضاد کے کسرہ کے ساتھ) آپ بعثت نبوی سے پہلے کم سنی ہی میں وفات پا گئے، آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

(۹) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

(۱۰) قثم، آپ بچپن ہی میں انتقال کر گئے، اور حضرت حارث کے حقیقی بھائی تھے۔

(۱۱) عبد الکعبہ، آپ بھی بچپن ہی میں انتقال کر گئے، آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے۔

(۱۲) حجل، آپ کا نام مغیرہ تھا۔

(۲۵) حجاج بن یوسف بن عقیل ثقفی، اس کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الحج میں آیا ہے، یہ بڑا ظالم شخص تھا، جور وظلم اور فساد وخون ریزی میں ضرب المثل تھا، مرآۃ الجنان میں ہے:

كان شجاعا مقداما مهيبا، فصيحا بليغا، سفاكا عاملا لعبد الملك بن مروان أحد خلفاء بني أمية. ولي الحجاز سنتين، ثم العراق والخراسان عشرين سنة، حارب عبد الله بن الزبير رضي الله عنه وقتله، وانتهك الحرم المكي، ولم يزل يفسد ويهلك إلى أن مات بواسط بلدة بناها هو بين الكوفة والبصرة، سنة خمس وتسعين، فأراح الله البلاد والعباد منه. (مرآۃ الجنان ۱/ ۱۵۳)

حجاج بن یوسف بڑا دلیر و بہادر، بارعب و پر جلال، فصیح اللسان، سفاک وخون ریز اور عبد الملک بن مروان کی جانب سے مقرر کردہ حاکم شخص تھا، حجاز میں دو سال اور عراق وخراسان میں بیس سال حکومت کی، اس کے دور حکومت میں بے قصوروں پر ظلم

وتشدد، زدکوب، مطلق العنانی، فساد وخون ریزی اور کئی علماء
وصلحاء کو شہید کیا گیا، اس ظالم نے جلیل القدر صحابی حضرت
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کیا، آپ کو شہید کیا اور بیت اللہ
شریف کی حرمت کو پامال کیا، بالآخر یہ سفاک اور ظالم شخص سنہ
۹۵ھ میں اپنے انجام کو پہنچا اور لوگوں نے اس کے انتقال کے
بعد سکون کی سانس لی۔

(۲۶) حسن لؤلؤۃ کوفی المعروف حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب الحیض، تیمم اور دیگر ابواب میں آیا ہے، آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھے، سنن نبویہ پر عمل کرنے کا بہت اہتمام کرتے تھے، نیز آپ حافظ احادیث بھی تھے، آپ کسی شہر کے قاضی بنائے گئے؛ لیکن چند مہینوں کے بعد اس عہدہ سے استعفی دے دیا، آپ کا شمار مجددین میں ہوتا ہے، سنہ ۲۰۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی، اللہ ان کی تربت کو آماجگاہ رحمت بنائے، آپ کی تصانیف میں المجرد اور الامالی ہے۔

(الاثمار الجنیۃ فی طبقات الحنفیۃ، ق ۱۷/أ)

(۲۷) خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب إحیاء الموات میں آیا ہے، اس لقب سے بہت سے علماء مشہور ہوئے ہیں، جب فقہ حنفی میں مطلق خواہر زادہ بولا جاتا ہے تو درج ذیل دو ائمہ میں سے کوئی ایک امام مراد ہوتے ہیں:

(الف) محمد بن حسین بخاری المعروف بکر خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا شمار ماوراء النہر کے نامور علماء میں ہوتا ہے، آپ کی تصانیف میں مختصر القدوری، تجنیس، اور مبسوط المعروف مبسوط خواہر زادہ ہیں، آپ کی وفات جمادی الاولی سنہ ۴۸۳ یا سنہ ۴۷۳ھ یا سنہ ۴۳۳ھ میں ہوئی ہے، آپ قاضی ابوثابت محمد بن محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں۔

(ب) بدر الدین محمد بن محمود رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۵۱ھ) آپ شمس الائمہ عبد الستار کردری رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں۔ (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ ۳/ ۳۶۲)

(۲۸) خبیب بن عدی بن مالک بن عامر بن مجدعہ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الاکراہ میں آیا ہے، یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قبیلہ کی درخواست پر چند حفاظ صحابہ کو بھیجا تھا؛ لیکن ان قبیلوں والوں نے غداری کی اور ان تمام صحابہ کرام کو شہید کر دیا، اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں کسی کافر کو فروخت کر دیا گیا، اور انہوں نے آپ کو سولی پر آپ کو لٹکا دیا، یہ پہلے صحابی رسول ہیں جن کو اللہ کے راہ میں سولی دی گئی، ان کے سولی دینے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بخاری شریف (حدیث نمبر: ۳۰۴۵) اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲۹) ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی قرشی اسدی رضی اللہ عنہا، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الحدود میں آیا ہے، یہ پہلی خوش نصیب خاتون ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو بسر چشم قبول کیا ان سے پہلے کسی مرد و زن نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی زوجہ ہیں، آپ کی مذکر و مؤنث تمام اولاد انہی سے ہے، سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کہ وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے ابوہالہ کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد عتیق بن عائذ کے نکاح میں آئیں، پھر ان کی وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس یا چھبیس سال کی عمر میں ان سے نکاح کیا تھا، اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے مناقب وفضائل ہیں، جن کو استیعاب، اسد الغابہ اور دیگر کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، آپ کی وفات ماہ رمضان المبارک مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پانچ یا چار یا تین سال پہلے ہوئی ہے، آخری قول جمہور علماء کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، اور آپ کو مقام حجون میں نماز جنازہ کے بغیر سپرد خاک کیا گیا؛ اس لیے کہ اس وقت نماز جنازہ فرض نہیں ہوا تھا۔

(۳۰) احمد بن عمر یا عمرو المعروف امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں

کتاب النکاح اور کتاب الشہادات میں آیا ہے، آپ کو فقہ حنفی پر عبور حاصل تھا، کتاب الفرائض سے بڑی مناسبت تھی، ان کا لقب خصاف اس لیے پڑا کہ وہ اپنی محنت کی کمائی کھاتے تھے، آپ نے والد ماجد حضرت عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے علوم شرعیہ حاصل کیا اور آپ کے والد حضرت حسن بن زیادہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، ابوداود طیالسی، مسدد، علی بن مدینی اور دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔

تصانیف

(۲) مناسک الحج (۲) کتاب الحیل (۳) کتاب الوصایا

(۴) کتاب الشروط (۵) کتاب المحاضر والسجلات

(۶) کتاب الرضاع (۷) کتاب أدب القاضی

(۸) کتاب النفقات علی الاقارب

(۹) کتاب أحکام الوقف، اور دیگر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات سنہ ۲۶۱ھ ہے۔ (کتائب أعلام الاخیار ق ۱۰۰/ب)

(۳۱) سیدنا ابراہیم بن آزر علیہ السلام، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الحج میں آیا ہے، آپ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام رسولوں میں اولوالعزم اور افضل رسول تھے، امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ ان کے واقعات وآثار کو عرائس میں بیان کیا ہے۔ (کشف الظنون ۲/۱۱۳۱)

(۳۲) خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ازدی فراہیدی، کنیت: ابوعبدالرحمن بصری نحوی المعروف خلیل لغوی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الاجارۃ کے بالکل شروع میں آیا ہے، آپ پہلے عالم ہیں جنہوں نے فن عروض کو مستنبط کیا اور اس فن کے ذریعہ عرب کے اشعار کا احاطہ کیا ہے، آپ متواضع، منکسر المزاج تھے، زہد وریاضت، تقوی وللہیت اور عشق نبوی سے سرشار تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بیت اللہ شریف میں یہ دعا مانگی تھی: یا اللہ مجھے جدید فن عطا فرما، اللہ ان کی دعا قبول فرمائی اور فن عروض کا موجد بنایا، آپ کے اساتذہ میں ایوب، عاصم احول رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر بڑی اہم شخصیات ہیں، اور شاگردوں میں

امام سیبویہ (ان کی کتاب میں اکثر باتیں خلیل لغوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں) اصمعی اور نضر بن شامی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَقَامَ الْخَلِيل فِي خص بِالْبَصْرَةِ لَا يقدر على فلسين وتلامذته يَكْسِبُونَ بِعِلْمِهِ الْأَمْوَال. وَكَانَ النَّاس يَقُولُونَ: لم يكن فِي الْعَرَبِيَّة بعد الصَّحَابَة أذكى مِنْهُ. وألف كتاب العين فى اللغة، وكتاب الجمل، وكتاب العروض، وكتاب الشواهد، وكتاب الشكل، وكتاب النقط، وكتاب الإيقاع والنغمة، وكانت وفاته سنة خمس و سبعين ومئة، وقيل: ستين، وقيل: سبعين. (بغیۃ الوعاۃ ۱/ ۵۵۸)

خلیل لغوی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ کے ایک خستہ مکان میں قیام پذیر تھے، ان کے پاس بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے دو پیسے بھی نہیں تھے، جب کہ آپ کے تلامذہ ان سے فن عروض کو پڑھنے کے بعد اس کو پیشہ بنا لیا تھا، لوگ کہتے ہیں: صحابہ کرام کے بعد ان سے زیادہ ذہین وفطین انسان پیدا نہیں ہوا۔

تصانیف

(۱) کتاب العین، یہ کتاب لغت میں ہے۔ (۲) کتاب الجمل
(۳) کتاب العروض (۴) کتاب الشواہد (۵) کتاب الشکل
(۶) کتاب النقط (۷) کتاب الایقاع والنغمۃ

خلیل لغوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۱۷۵ھ میں ہے، بعض حضرات نے ۱۷۰ھ اور بعض نے ۱۶۰ھ لکھا ہے۔

(۳۳) امام زفر بن ہذیل بن قیس بن سلیم بن قیس عنبری اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ، عنبران کے اجداد میں سے کسی کا نام ہے، انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو عنبری کہا جاتا ہے، آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد اور قیاس واستنباط اور فقاہت میں ید طولی رکھتے تھے، فن حدیث میں بھی بلند مقام پر فائز تھے، شداد کہتے ہیں: میں نے اسد بن عمرو سے پوچھا:

أبو يوسف أفقه أم زفر؟ قال: زفر أورع، قلت: عن الفقه سألتك! فقال: ياشداد! بالورع يرتفع الرجل.

وعن محمد بن عبد الله الأنصاري قال: أكره زفر على أن يلي القضاء فأبى، فاختفى مدة فهدم منزله، ثم خرج وأصلح منزله، ثم أكره وهدم منزله، فلم يقبله.

امام زفر اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہما میں زیادہ فقیہ کون ہیں؟ اسد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امام زفر رحمۃ اللہ علیہ زیادہ متقی و پرہیز گار ہیں شداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میرا سوال آپ سے فقہ کے بارے میں ہے، اسد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بھائی شداد! اللہ کے یہاں انسان کی مقبولیت کا مدار تقوی وللہیت پر ہے۔

محمد بن عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کو عہدہ قضاء قبول کرنے پر مجبور کیا گیا؛ لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور کسی جگہ ایک عرصہ تک روپوش ہوگئے، حاکم نے اس معمولی بات پر آپ کے مہ خانہ کو منہدم کرنے کا حکم دیا، پھر آپ لوگوں کے درمیان آئے اور اپنے گھر کی مرمت کرائی، پھر حاکم کی

جانب سے عہدہ قضا قبول کرنے مجبور کیا گیا، اس مرتبہ بھی انکار
کرنے کی وجہ سے آپ کے قیام گاہ کو زمین بوس کر دیا گیا۔

آپ کی سن پیدائش ۱۱۰ھ اور سن وفات ۱۵۰ھ ہے۔ (وفیات الاعیان ۲/۷۱ ۳)

(۳۴) امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب مایفسد الصلوۃ میں آیا ہے، اس نام کے دو ائمہ ہیں:

(۱) شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) سہل ابو بکر سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

یہاں ان دونوں میں سے کون مراد ہیں؟ فقہاء سے دونوں قول منقول ہیں۔

سرخس کی تحقیق

سرخس: سین اور را کا فتحہ اور خا پر جزم، یہ خراسان کا قدیم شہر ہے، سرخس ایک شخص کا نام ہے جس نے اس شہر کو بسایا تھا، پھر اس کی اولاد نے یہاں عمارتیں بنائیں۔

(الانساب ۳/ ۲۴۴)

کتائب أعلام الاخیار میں ہے:

كان إماما علامة، حجة نظارا، متكلما، أخذ عن شمس الأئمة الحلواني، وصار أحد زمانه، وألف: شرح السير الكبير، شرح المبسوط، كتابا في أصول الفقه، وغير ذلك.

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے امام، علامہ، علوم شرعیہ پر گہری نظر، مناظر اسلام اور عبقری علماء میں شمار کیے جاتے تھے، آپ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں، تصانیف میں شرح السیر الکبیر، شرح المبسوط اور آپ نے اصول فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے، ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔

آپ کی وفات سنہ ۴۹۰ یا سنہ ۴۵۰ ھ کے اندر ہوئی ہے۔

(کتائب أعلام الاخیار ۱۴۷/أ)

(۳۵) سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب النکاح اور کتاب القضاء میں آیا ہے، آپ کا شمار سات مشہور ائمہ میں ہوتا ہے۔(المسیب: یہ باب تفعیل سے اسم مفعول ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ اسم فاعل ہے) آپ کا نسب اس طرح ہے: سعید بن مسیب ابن حزن ابو محمد مخزومی قرشی، آپ کے والد ماجد صحابی ہیں، بیعت رضوان میں میں شریک تھے اور دادا حزن رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال بعد سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ہیں، آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے، عثمان غنی، علی مرتضی، زید بن حارثہ، عائشہ صدیقہ، سعد، ابو ہریرہ، اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مبارکہ سننے کا شرف حاصل ہے، تذکرۃ الحفاظ میں ہے:

كان واسع العلم، وافر الحرمة، متين الديانة، قوالا بالحق، فقيه النفس من سلالة التابعين، فقها ودينا، وورعا وعبادة وفضلا.(۵۴/۱)

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا علم بہت وسیع وعمیق تھا، بارعب اور جلالی تھے، دیانت داری وامانت داری کے خوگر تھے، حق بات علی الاعلان اور واضح الفاظ میں کہتے، فقاہت ودرایت، تقوی وللّٰہیت اور عبادت وریاضت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

آپ کی سیر السلف میں کئی خصوصیات وامتیازات بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) بادشاہ کے ہدایا اور تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔

(۲) پچاس سال تک آپ کی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی ہے۔

(۳) آپ نے اذان تیس سال تک اپنے گھر میں نہیں سنی ہے، بلکہ اذان سے پہلے مسجد چلے جاتے تھے۔

(۴) چالیس حج کیے ہیں اور عشاء کے وضوسے پچاس سال فجر کی نماز پڑھی ہے۔

(۵) کبار محدثین آپ کے فضل وکمال اور اخلاق حسنہ کے معترف ومداح تھے۔

آپ کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں متعدد اقوال ملتے ہیں:

(۱) ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات سنہ ۹۴ھ میں ہوئی ہے۔

(۲) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات سنہ ۸۹ھ میں ہوئی ہے۔

(۳) یحیی قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات سنہ ۹۱ھ میں ہوئی ہے۔

(۴) ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات سنہ ۹۱ یا ۹۲ھ میں ہوئی ہے۔

(۵) یحیی بن معین اور علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے، حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر محدثین کے یہاں یہی آخری قول راجح ہے۔

مدینہ منورہ کے سات بڑے مشہور ائمہ کرام

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ الاشارات فی بیان المبہمات میں لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ میں سات بڑے معروف ومشہور فقہاء تھے، ان سب کو صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، وہ سات فقہاء یہ ہیں:

(۱) سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ

(۲) عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ

(۳) قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ

(۴) خارجہ بن زید بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

(۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ

(۶) سلیمان یسار رحمۃ اللہ علیہ

ساتویں فقیہ کے بارے علماء سے تین اقوال منقول ہیں:

(۱) ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ، اس قول کو حاکم ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے حجاز سے نقل کیا ہے۔

(۲) سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ، یہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔

(۳) ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ، یہ ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

کسی شاعر ان مشہور ساتوں فقہاء کو ایک شعر میں جمع کیا ہے:

أَلا كل من لَا يَقْتَدِی بأئمة
فقسمته ضيزى عَن الْحق خَارجه

جو شخص ائمہ کرام کی پیروی نہ کرے تو اس کی قسمت بھونڈی ہے وہ حق سے خارج ہے۔

فخذهم عبيد الله عُرْوَة قَاسم
سعيد سُلَيْمَان أَبُو بكر خَارجه

(الوافی بالوفیات ۱۰/ ۱۴۹)

لہذا ان کو مضبوطی سے پکڑلو، وہ ائمہ کرام یہ ہیں: عبیداللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ رحمۃ اللہ علیہم۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ حیاۃ الحیوان میں لکھتے ہیں:

إن هذه الأشعار المشتملة على أسماء الفقهاء السبعة إذا كتبت فی رقعة وجعلت فی القمح فإنه لا يسوس مادامت الرقعة فيه.(۲/ ۵۳)

مذکورہ بالا اشعار جن میں ساتوں فقہاء کے نام ہیں اگر ان کو کسی کاغذ میں لکھ کر نمک میں رکھدیا جائے تو اس میں دیمک نہیں

لگے گا۔

(۳۶) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، آپ ملک فارس کے باشندے تھے، پھر ایک عرصہ تک عیسائی راہب کی خدمت میں رہے، پھر دین حق کی تلاش میں اس راہب کو چھوڑ کر کئی راہبوں کے پاس گئے، بالآخر ملک شام پہنچے، اور یہاں اسلامی تعلیمات کے بارے میں بہت کچھ سنا، چنانچہ صاحب اسلام کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے، آپ غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اسد الغابہ، اصابہ اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے، آپ کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام سنہ ۳۵ھ میں ہوئی ہے، ایک قول یہ ہے کہ سنہ ۳۶ھ کے بالکل شروع میں ہوئی ہے، اور آپ کی عمر دوسو پچاس سال ہوئی ہے، جب کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ کی عمر تین سو پچاس سال ہوئی ہے۔

(۳۷) سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب القسامہ میں آیا ہے، آپ کا نسب اس طرح ہے: سہل بن ابی حثمہ عبداللہ (بعض علماء نے عبیداللہ اور بعض نے عامر کہا ہے) بن ساعدہ بن عامر بن عدی بن مجدہ اوسی انصاری، آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ہے، اور آپ کی پیدائش سنہ ۳ھ میں ہوئی ہے، امام واقدی رضی اللہ عنہ نے اس قول (سن پیدائش) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **هو الأصح.**

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ (سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ) بیعت رضوان میں شریک تھے، غزوہ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی حصہ لیا تھا، صلوۃ خوف کے بارے میں آپ کی حدیث مشہور ہے، جس کو امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، اسی طرح آپ کی ایک حدیث قسامہ کے بارے میں بھی ہے، یہ حدیث مؤطا مالک اور دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے۔ (اسد الغابہ ۱/ ۴۸۴)

(۳۸) محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی مکی المعروف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کئی مقامات میں آیا ہے، آپ کے اساتذہ میں محمد بن علی (چچا)، عبد العزیز بن ماجشون، امام مالک اور خلق رحمۃ اللہ علیہم ہیں، اور تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، امام بویطی، امام ابوثور، امام ربیع اور دیگر عبقری شخصیات رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو شعر، عربی ادب، عرب کے معرکے اور فن حدیث پر کافی عبور حاصل تھا، رمضان المبارک میں ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے، آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خوب علمی استفادہ کیا ہے، یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بہ بأس.

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا أَحَدٌ مَسَّ مِحْبَرَةً وَلاَ قَلَماً إِلَّا وَلِلشَّافِعِيِّ فِي عُنُقِه مِنَّةٌ.(سیر اعلام النبلاء ۸/ ۲۵۳)

امام شافعی ہر اس شخص کے محسن ہیں جس کو کچھ پڑھنا لکھنا آیا ہے۔

آپ کے بہت سے امتیازات وخصوصیات ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ تاریخ اسلام، تاریخ دمشق، تذکرۃ الحفاظ اور دیگر کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

آپ سنہ ۱۹۹ھ میں مصر تشریف لائے اور سنہ ۲۰۴ھ میں اس کی خاک کا پیوند ہوئے، آپ کی سن پیدائش ۱۵۰ھ ہے، اسی سال ایک عبقری اور باکمال شخصیت یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

(۳۹) شریح (را کا فتحہ) بن حارث بن قیس کندی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب شہادۃ الزور میں آیا ہے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا، آپ اس اہم منصب پر پچھتر سال فائز رہے ہیں، صرف تین سال فتنہ (حجاج بن یوسف) کے زمانہ میں قضا کے فرائض انجام نہیں دے سکے، آپ کا شمار کبار تابعین

میں ہوتا ہے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں بڑے ذہین وفطین سمجھے جاتے تھے۔

(حیاۃ الحیوان الکبری ۱/۲۱)

امام شریح رحمۃ اللہ علیہ کی سن وفات میں علماء کرام سے متعدد اقوال منقول ہیں:

۷۶، ۷۹، ۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۷ھ

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف ہے کہ آپ کی وفات سنہ ۸۷ھ میں ہوئی ہے، چنان چہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كان فقيها أعلم الناس بالقضاء، ذافطنة وذكاء ومعرفة وعقل وإصابة، صاحب مزاح، وهو أحد السادات الطلس، وهم أربعة: عبد الله بن الزبير، قيس بن سعد بن عبادة، أحنف بن قيس كندى الذى يضرب به المثل فى الحلم، والقاضى شريح رحمهم الله. والأطلس: الذى لا شعر من وجهه.

ومن مزاح شريح أنه أتاه عدى بن أرطاة، فقال له: أين أنت أصلحك الله؟ قال: بينك وبين الحائط، قال: اسمع منى، قال: قل اسمع، قال: إنى رجل من أهل الشام، قال: مكان سحيق، قال: وتزوجت عندهم، قال: بالرفاء والبنين، قال: وأردت أن أرحلها، قال: الرجل أحق بأهلها، قال: وشرطت لها دارها، قال: المؤمنون عند شروطهم، قال: فاحكم الآن بيننا، قال: قد فعلت، قال: على من حكمت؟ قال: على ابن أمك، قال: بشهادة من، قال: بشهادة ابن أخت خالتك. (وفیات الاعیان ۲/۴۶۱)

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ ذہانت وفطانت ،فقاہت ودرایت ،فضل وکمال، عقل وخرد اور اصابت رائے کے حامل تھے، بڑے مذاقی اور مرنجا مرنج انسان تھے،آپ ان چار مشہور علمائے کرام میں ہیں جن کے چہرے پر بال نہیں آئے ،ان چار کے نام یہ ہیں: (۱) عبد اللہ بن زبیر (۲) قیس بن عبادہ (۳) احنف بن قیس کندی ، یہ حلم وبرد باری میں معروف تھے (۴) قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہم۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی ہے کہ عدی بن ارطاۃ ان کے پاس آئے ،قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضور کہاں سے آنا ہوا؟ اللہ آپ کو خیر وعافیت کے ساتھ رکھے، سائل نے کہا: میں آپ کا پڑوسی ہوں ،اور کہا: آپ میری بات سنیں، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سناؤ، سائل نے کہا: میں ملک شام کا باشندہ ہوں، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ملک شام یہاں سے کافی دور ہے، تم کیسے کہہ رہے ہو میں آپ کا پڑوسی ہوں؟ (ممکن ہے کہ سائل نے اس جملہ بینك وبین الحائط سے دینی بھائی مراد لیا ہو، واللہ اعلم از مترجم۔) سائل نے کہا: میں نے ملک شام میں کسی عورت سے شادی کی ہے، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ تم دونوں میں اتفاق ومحبت قائم کرے اور نیک صالح اولاد عطا فرمائے ،سائل نے کہا: میں اپنی بیوی کو کسی جگہ لے جانا چاہتا ہوں،، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ٹھیک ہے، اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے، سائل نے کہا: میں نے نکاح کے وقت بیوی کو ایک مستقل رہائش دینے کا وعدہ کیا تھا، قاضی شریح

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس وعدہ کو پورا کرو، سائل نے کہا: آپ ہمارے درمیان فیصلہ کردیں کہ میں بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہوں، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے فیصلہ کردیا ہے، سائل نے کہا: آپ نے کس کے خلاف فیصلہ کیا ہے؟، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ کے بھائی کے خلاف فیصلہ کیا ہے، سائل نے کہا :اس قضیہ میں شاہد کون ہے؟، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شاہد آپ کے ماموں کے بہن کا بیٹا یعنی شاہد آپ کا بیٹا ہے۔

(۴۰) عامر بن شراحیل ہمدانی کوفی المعروف امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الخنثی میں آیا ہے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، آپ کو عمران بن حصین، جریر، ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر، عائشہ صدیقہ، اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مبارکہ سننے کا شرف حاصل ہے، اور آپ سے امام اعظم ابوحنیفہ، زکریا بن ابی زائدہ، اعمش رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر نوابغ روزگار علماء نے احادیث محفوظ کی ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قبیلہ ہمدان سے ہے، قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھنے والے جو کوفہ میں ہیں ان کو شعبی کہا جاتا ہے، جو شام میں ہیں ان کو شعبانی کہا جاتا ہے، جو یمن میں ہیں ان کو آل ذی شعبان کہا جاتا ہے اور جو مغرب میں ہیں ان کو اشعوب کہا جاتا ہے، یہ تمام حسان بن عمرو بن شعبین کے نسل سے ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ حافظ حدیث اور علم وفن کے آفتاب وماہتاب تھے، آپ کو پچاس صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا رَأَیْتُ أَحَداً أَفْقَهَ من الشعبی، لا سَعِیْدَ بنَ المُسَیِّبِ، وَلاَ طَاوُوْسَ، وَلاَ عَطَاءَ، وَلاَ الحَسَنَ، وَلاَ ابْنَ سِیْرِیْنَ۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/ ۱۷۳)

میں نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ کسی آدمی کو نہیں دیکھا، حتی
کہ یہ فن فقہ میں سعید بن مسیب، طاؤس، عطاء بن ابی رباح،
حسن بصری، اور امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم سے بھی فائق وبرتر تھے۔
عاصم احول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ الشَّعْبِيُّ أَكْثَرَ حَدِيْثاً مِنَ الحَسَنِ، وَأَسَنَّ مِنْهُ بِسَنَتَيْنِ. وما رأيت أحدا أعلم بحديث أهل الكوفة والبصرة والحجاز من الشعبي. (سیر اعلام النبلاء ۴ / ۳۱۲)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ احادیث یاد تھی، اور
یہ ان سے دو سال بڑے تھے، میں (عاصم احول) نے حجاز، کوفہ
اور بصرہ میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا ہے جو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے
زیادہ احادیث جاننے والا ہو۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے امتیازات وخصوصیات بہت ہیں، جن کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے، آپ کی وفات سنہ ۱۰۴ یا ۱۰۳ یا ۱۰۵ھ میں ہوئی ہے۔

(۴۱) ابو محمد عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری المعروف شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الطہارۃ، کتاب الشہادات وغیرہ میں آیا ہے، آپ اپنے دور میں احناف کے امام ومقتدی اور فقیہ اعظم کے نام سے معروف ومشہور تھے، متعدد علوم وفنون میں ید طولی رکھتے تھے۔

آپ نے علم فقہ حسین بن خضر نسفی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، ان کا علمی سند امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، سند اس طرح ہے:

شمس الائمة الحلوانی عن ابی علی الحسین بن حضر النسفی عن الفضلی ابی بکر محمد بن الفضل عن السبذمونی عبد الله عن ابی حفص الصغیر عن ابیه

ابی حفص الکبیر عن محمد بن الحسن عن الامام الاعظم ابی حنیفة.

شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اوران کے برادر خورد صدر الاسلام، شمس الائمہ زرنجری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ عظیم شخصیات ہیں۔

(اعلام الاخیار ق ۱۳۴ / اُ)

شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کی سن وفات کے بارے میں مؤرخین سے دوقول منقول ہیں:

(۱) آپ کی سن وفات ۴۵۶ھ ہے، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۸ / ۱۷۷)

(۲) آپ کی سن وفات ۴۴۸ یا ۴۴۹ھ ہے، امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی سن وفات انساب میں لکھا ہے۔(۲ / ۲۴۸)

حلوانی کی تحقیق

حلوانی میں لفظاً یا نسبتی ہے، اور معنی ہے: مٹھائی فروخت کرنے والا، اس بات کو امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے انساب (۲ / ۲۴۸) میں، علی بن ہبۃ اللہ المعروف ابن ماکولا رحمۃ اللہ علیہ نے الاکمال فی اسماء الرجال (۱ / ۱۱۱) میں اور دیگر علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔

صاحب ہدایہ کے شاگرد برہان الاسلام زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تعلیم المتعلم میں لکھتے ہیں:

إن والده أحمد بن نصر كان يبيع الحلواء، وكان يعطى الفقهاء الحلواء، ويقول: ادعوا لابني، فببركة جوده واعتقاده نال ابنه نال. (ص:۷۹)

شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مٹھائی فروخت کیا کرتے تھے، اور فقہائے کرام کو بھی مٹھائی ہدیہ کرتے اور کہتے کہ آپ میرے فرزند کے لئے دعا کریں کہ اللہ اس کو عالم باعمل بنائے، چناں چہ ان کی جود وسخاوت اور علماء سے محبت وشیفتگی کی برکت

سے ان کا بیٹا نہ صرف عالم ہوا بلکہ شمس الائمہ کے لقب سے معروف ومشہور ہوا۔

اخی جلبی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ حلوان عراق کے ایک شہر کا نام ہے اور شمس الائمہ اس شہر میں قیام پزیر تھے؛ اس لئے ان کو حلوانی کہا جاتا ہے، میں (عبدالحی لکھنوی) نے التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البھیۃ میں اس کی تردید کی ہے۔ (ص: ۱۶۴)

لفظ حلوانی کو تین طریقوں سے پڑھا جاتا ہے:

(۱) حلواء، حا اور ہمزہ کا فتحہ اور جب آخر میں یائے لگائی جائے گی تو یا کی مناسبت سے ہمزہ پر کسرہ آئے گا، اس بات کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلاء (۸/ ۱۷۷) اور امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے انساب میں لکھا ہے۔

(۲) حلوان، حا کا ضمہ، اور نون پر اعراب عامل کے تابع ہوگا؛ البتہ جب آخر میں یائے نسبتی لگائی جائے گی تو یا کی مناسبت سے نون پر کسرہ آئے گا۔ (القاموس المحیط ۴/ ۳۲۱)

(۳) حلوان، حا کا فتحہ، اور نون پر اعراب عامل کے تابع ہوگا؛ البتہ جب آخر میں یائے نسبتی لگائی جائے گی تو یا کی مناسبت سے نون پر کسرہ آئے گا، اس بات کو عبد القادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الحنفیہ میں ذکر کیا ہے۔ (الجواہر المضیئۃ ۲/ ۴۳۰)

(۴۲) برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد بن الصدر الکبیر برہان الدین عبدالعزیز بن عمر بن مازہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب باب قضاء الفوائت میں آیا ہے، آپ اپنے چچا حسام الدین الصدر الشھید عمر کے شاگرد ہیں، آپ کے والد، دادا، پردادا اور چچا یہ تمام اپنے دور کے نامور علماء تھے۔

تصانیف

(۱) ذخیرہ، یہ کتاب دراصل آپ کی تالیف المحیط کی تلخیص ہے۔

(۲) شرح الجامع الصغیر (۳) شرح الزیادات

(۴) امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کی ادب القضاء کی شرح

(۵) الواقعات وغیرہ۔

(۴۳) علامہ علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں مستحبات وضو میں آیا ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان إماما فقيها، محدثا مفسرا، متقنا محققا، نظارا مدققا، زاهدا ورعا، أديبا شاعرا، له اليد الباسطة في الخلاف. (عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ ۱/۱۹۰)

صاحب ہدایہ فقیہ اعظم، بے مثال محدث ومفسر، باکمال محقق و مدقق، علوم شرعیہ پر گہری نظر، ادیب وشاعر، احسانی کیفیت، خلوص وللّٰہیت اور عشق نبوی سے سرشار تھے، اللہ نے آپ کو فقہ حنفی کو عقلی و نقلی دلائل سے مدلل ومبرہن کرنے کی عجیب صلاحیت عطا فرمائی تھی۔

صاحب ہدایہ نے اپنے دور چوٹی کے علماء سے علم دین حاصل کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

مفتی الثقلین عمر نسفی اور ان کے فرزند ابو اللیث سمرقندی، صاحب محیط کے چچا صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز، صاحب تحفۃ الفقھاء علامہ علاء الدین سمرقندی کے شاگرد مولانا ضیاء الدین محمد بن حسین بندنجی، شمس الائمہ کے شاگرد علی ابوعمرو عثمان بن علی بیکندی، صاحب خلاصۃ الفتاوی کے والد ماجد علی قوام الدین احمد بن عبدالرشید بخاری رحمۃ اللہ علیہم۔

تصانیف

(۱) المنتقی (۲) نشر المذہب (۳) التجنیس والمزید (۴) مختارات

النوازل (۵) مناسک الحج (۶) کتاب فی الفرائض۔

(۷) صاحب ہدایہ نے بدایہ کے نام سے فن فقہ میں ایک جامع اور مستحکم متن لکھا، جس میں آپ نے مختصر القدوری اور جامع صغیر کے مسائل کا احاطہ کیا ہے، اس کتاب میں چوں کہ انتہائی اختصار کے ساتھ مسائل کیے گئے تھے؛ اس لیے آپ نے کفایۃ المنتھی کے نام سے طویل شرح لکھی، پھر اس کتاب کی تلخیص کی اور اس کا نام ہدایہ رکھا۔

صاحب ہدایہ کے چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علوم نبوت نے اپنی پیاس بجھائی ہے، جن میں مشہور ومعروف یہ ہیں: صاحب ہدایہ کے تین فرزند: جلال الدین محمد، نظام الدین عمر اور شیخ الاسلام عماد الدین بن ابی بکر، شمس الائمہ کردری، اور مفتی محمد (مؤلف: الفصول الاستروشنیۃ) کے والد ماجد جلال الدین محمود استروشنی رحمۃ اللہ علیہم، صاحب ہدایہ کی وفات سنہ ۵۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ (الاثمار الجنیۃ ق ۳۸/ب)

میں (عبدالحی لکھنوی) نے تفصیل کے ساتھ صاحب ہدایہ کی سوانح حیات اور ہدایہ کی خصوصیات وامتیازات کو اپنی کتاب مقدمۃ الھدایۃ اور مذیلۃ الدرایۃ میں بیان کیا ہے۔

(۴۴) فقہ وحدیث کے امام احمد بن سلامہ ازدی المعروف طحاوی (متوفی: ۳۲۱ھ) رحمۃ اللہ علیہ، ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں میں لکھتے ہیں:

أَبُو جَعْفَرٍ الطَّحَاوِيُّ انتهتْ إِلَيْهِ رِئَاسَةُ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيْفَةَ بِمِصْرَ، أَخَذَ العِلْمَ عَنْ أَبِي جَعْفَرِ بن أَبِي عِمْرَانَ، وَأَبِي خَازِم وَغيرِهِمَا، وَكَانَ شَافِعِيّاً يَقْرَأُ عَلَى أَبِي إِبْرَاهِيْم المُزَنِيّ، فَقَالَ لَهُ يَوماً: وَاللهِ لاَ جَاءَ مِنْكَ شَيْءٌ، فَغَضِبَ أَبُو جَعْفَرٍ مِنْ ذَلِكَ،وترك مذهبه وتحنف۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۱/۳۶۲)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مصر میں فقہائے احناف کے مرجع تھے، آپ

اپنے ماموں اسماعیل مزنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے، کسی دن ماموں ان پر بہت خفا ہوگئے اور غصہ میں کہا: تو کسی کام کا نہیں ہے، بس یہ سننا تھا کہ یہ بھی بھڑک گئے اور شافعی مذہب کو چھوڑ کر حنفی مذہب کو اختیار کرلیا۔

علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد شروطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حنفی ہونے کی دوسری وجہ بیان کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

قلت للطحاوي: لم خالفت خالك واخترت مذهب أبي حنيفة؟ فقال: لأني كنت أرى خالي يديم النظر في كتب أبي حنيفة، فلذلك انتقلت إليه. (مرآۃ الجنان ۲/۲۸۱)

میں (محمد شروطی) نے سے پوچھا: کس بات پر آپ نے ماموں (استاذ) سے بحث ومباحثہ کرلیا اور فقہ شافعی کو چھوڑ کر حنفی مذہب کو اختیار کیا؟ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بس اتنی بات تھی کہ میں اپنے ماموں کو زیادہ تر فقہائے احناف کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوجعفر بن عمران رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر علماء احناف سے استفادہ کیا اور فن فقہ وحدیث دونوں پر آپ کی پوری گرفت تھی۔

تصانیف

(۱) احکام القرآن　　(۲) اختلاف العلماء
(۳) شرح معانی الآثار (۴) مشکل الآثار والتاریخ، ان کے علاوہ آپ کی اور بھی کتابیں ہیں۔ (مرآۃ الجنان ۲/۲۸۱)

طحاوی کہنے کی وجہ

طحا (طا کا فتحہ) مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے، اسی گاؤں کی طرف نسبت کرتے

ہوئے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے، یہ علامہ سمعانی، امام یافعی، مولانا ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر علماء کی رائے ہے۔ (وفیات الاعیان ۱/ ۷۱)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لب اللباب فی تحریر الانساب میں لکھتے ہیں کہ یہ وجہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح وجہ یہ ہے کہ آپ قریہ طحطوحہ کے باشندے تھے اور چوں کہ طحطوحی بولنے میں دشواری ہوتی ہے؛ اس لیے آپ کو طحاوی کہا جانے لگا۔

(۴۵) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب السرقۃ میں آیا ہے، آپ صحابہ میں فقاہت ودرایت اور اصابت رائے میں ممتاز اور منفرد مقام رکھتی تھیں، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْعِلْمِ وَالشِّعْرِ وَالطِّبِّ مِنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ.

(المستدرک، حدیث نمبر: ۶۷۳۳)

میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فقاہت ودرایت، علاج ومعالجہ اور اشعار کو جانتا ہو۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ہجرت سے دو تین سال قبل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے، اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات یا چھ سال تھی؛ لیکن رخصتی مدینہ منورہ میں نو سال کی عمر میں ہوئی ہے، آپ کے بے شمار مناقب وفضائل ہیں جو کتب احادیث میں بیان کیے گئے ہیں، یہاں آپ کی دو فضیلت ذکر کی جارہی ہے اس سے مقام ومرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں ایک ریشمی کپڑے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر بتائی اور یہ خوشخبری سنائی کہ یہ صفات حسنہ کی حامل نیک بخت آپ کی زوجہ ہوگی۔

(۲) جب چند ناواقفوں نے آپ کی عصمت کو پامال کرنے کی کوشش کی تو قرآن

کریم نے ان کی طہارت و پاکیزگی اور عفت و پاکدامنی کی گواہی دی۔

(یہ دو آپ کی ایسی عظیم ترین اور جزئی فضیلت ہے کہ اس کو ایک پلہ میں اور تمام صحابیات کے فضائل و مناقب کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو یقینا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پلہ بھاری ہوگا۔ از مترجم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۱۷/ رمضان المبارک بروز منگل سنہ ۵۷ یا ۵۸ھ میں ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ ۳/ ۳۸۳)

(۴۶) حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الزکاۃ میں آیا ہے، آپ زمانہ جاہلیت میں کلیدی عہدہ پر فائز تھے، مسجد حرام کی تعمیر و مرمت، حاجیوں کو پانی پلانا، یہ دونوں منصب جو زمانہ جاہلیت میں اہم منصب سمجھا جاتا تھا، آپ ہی ان دونوں کے نگران اعلی تھے، جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ آپ بھی آئے تھے اور جنگ کے بعد گرفتار ہو گئے، پھر وہ فدیہ دے کر رہا ہو گئے اور دامن رسول کو پوری مضبوطی کے ساتھ تھام لیا، ایک قول یہ ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے؛ لیکن (کسی شرعی مصلحت کی بنا پر) ہجرت نہیں کیا تھا اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی سازشوں اور مکر و فریب کی خبر دیتے رہے، اور جنگ بدر میں کفار کے شدید اصرار پر شریک ہوئے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بے حد محبت اور لگاؤ تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعدد مناقب و فضائل ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ اسد الغابہ اور اصابہ میں بیان کیا گیا ہے، آپ کی وفات مشہور قول کے مطابق ماہ رجب یا رمضان المبارک سنہ ۳۲ھ میں ہوئی ہے۔

(۴۷) عبد اللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی قرشی اسدی رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الحج میں آیا ہے، آپ کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پہلے صحابی ہیں جن کی پیدائش ہجرت کے بعد ہوئی ہے، آپ

کی والدہ حالت حمل میں مدینہ منورہ ہجرت کی تھی اور ہجرت کے بیس مہینے یا ایک سال کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ہیں۔ اسد الغابہ میں ہے:

كان صواما قواما، طويل الصلاة، شجاعا مقداما، كان يقوم ليلة حتى الصباح، ويركع ليلة حتى الصباح، ويسجد ليلة حتى الصباح. (۲/۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کثرت سے روزہ اور تہجد کا اہتمام کرتے تھے، بڑے بہادر اور جنگ میں پیش پیش رہتے تھے، آپ کی احسانی کیفیت اور تعلق مع اللہ کا حال یہ تھا کہ ایک رات صبح تک اللہ کے دربار میں کھڑے رہتے، دوسری رات صبح تک رکوع کی حالت میں رہتے اور تیسری رات صبح تک سربسجود رہتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا، یزید نے آپ کو بیعت پر مجبور کرنے کے لیے ہتھیاروں سے لیس ایک لشکر مدینہ منورہ بھیجا، چنان چہ اس یزیدی لشکر نے مدینہ میں فساد وخون ریزی، لوٹ مار اور مدینہ کے تقدس واحترام کو پامال کیا، یہ المناک واقعہ سنہ ۶۳ھ میں پیش آیا، پھر یہ فسادی لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ چلے، اور نہتے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ماہ محرم سنہ ۶۴ھ میں مکہ میں جیل کے سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا، آپ تقریبا تین ماہ نظر بند رہے، پھر جب یزید کا انتقال ہو گیا تو یمن، عراق، حجاز اور خراسان کے باشندوں نے متفقہ طور پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین تسلیم کیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت اللہ کی ازسرنو تعمیر ہوئی اور حطیم کو بھی حرم میں شامل کر دیا گیا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد بیت اللہ شریف کی اسی طرح تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن آپ نے بر بنائے مصلحت اپنی

خواہش کی تکمیل نہیں کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تقریبا آٹھ سال رہا ہے، اس سنہرے اور بابرکت دور میں شہروں میں خوشگوار انقلابات مرتب ہوئے، لوگ راحت و آرام اور سکون واطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے، وہ لوٹ کھسوٹ چوری ڈکیتی سے مکمل محفوظ تھے؛ لیکن جب عبدالملک بن مروان حاکم بنا تو اس نے ظالم حجاج بن یوسف ثقفی کو مع لشکر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا، چنان چہ دونوں گروپوں میں جنگ ہوئی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جمادی الثانی سنہ ۷۳ھ میں شہید کردیے گئے۔ (اسد الغابہ ۲/ ۱۰۹)

(۴۸) ذوالنورین عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ، آپ کی کنیت ابوعمر یا ابوعبداللہ ہے، آپ کا شمار ان خوش نصیب اور سابقین اولین صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا جب سنہ ۲ھ میں آپ کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ان سے کیا، جب سنہ ۹ھ میں آپ کی دوسری صاحبزادی کا بھی انتقال ہوگیا، تو آپ نے فرمایا:

وَلَوْ كَانَتْ عِنْدِي ثَالِثَةٌ لَأَنْكَحْتُهُ.

(فضائل الصحابۃ ۱/ ۵۰۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد مجلس شوری کے تمام ارکان نے متفقہ طور پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین بنایا، آپ کے دور خلافت میں کئی ممالک حتی کہ کابل بھی اسلام کے زیر نگیں آگیا۔ (ابوداؤد)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نظر بند اور آپ کی حکومت کے خلاف بغاوت کا المناک

حادثہ سنہ ۳۵ھ میں پیش آیا ہے، اور اسی سال ماہ ذی الحجہ میں شہید کر دیے گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمہ واسعۃ واسکنہ فسیح جناتہ ورضوانہ۔ (اسد الغابہ ۲/۱۵۱) آپ کے مناقب وفضائل بہت ہیں؛ جن کو کتب حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴۹) عقیل بن ابو طالب بن عبد مناف بن عبد المطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ، آپ حضرت علی مرتضی اور جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے علاتی بھائی ہیں، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے، جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ آئے اور گرفتار ہو گئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو فدیہ دے کر رہا کیا۔

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ ہجرت کر کے دین اسلام سے محبت و وفاداری کا ثبوت دیا؛ قریش میں کوئی بھی شخص نسب اور قریش کے جنگ وجدال کے بارے میں آپ سے زیادہ جاننے والا نہیں تھا، آپ بہت قریش کے معائب اور صفات رذیلہ بیان کرتے تھے، اسی وجہ سے قریشی لوگ آپ سے خفا رہتے اور احمق، دیوانہ، مجنون کہتے، حضرت علی اور کاتب رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک اجتہادی غلطی کی بنا پر جنگ ہوئی تو آپ اس جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ (اسد الغابہ ۲/۲۷۸)

(۵۰) حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب سجود التلاوۃ اور کتاب الزکاۃ میں آیا ہے، آپ کے مناقب وفضائل بہت ہیں، جو تراجم صحابہ میں بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے چند یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) آپ پہلے ہاشمی لڑکے ہیں؛ کیوں کہ آپ کی والدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے، اور بنو ہاشم کے پہلے خلیفہ ہیں۔

(۲) آپ نے کم سن بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے وسیع وعمیق علمی کی گواہی دی ہے، چنان چہ آپ نے ان کے بارے میں بہت وقیع کلمات کہے ہیں، آپ نے فرمایا:

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

(المستدرک، حدیث نمبر: ۴۶۳۷)

میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے دروازے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۲۴۰۴)

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے، بس فرق یہ ہے کہ میرے کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

(ترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۱۳)

جو مجھے اپنا دوست اور محبوب سمجھتا ہے اس پر لازم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد اکابر صحابہ نے آپ کو امیر المؤمنین بنایا، آپ کے دور خلافت میں آپ کے درمیان اور حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کے درمیان کشیدگی اور اختلافات ہوئے اور اس اختلاف میں اتنی شدت پیدا ہوگئی کہ دونوں گروپ باہم دست و گریباں ہوگئے اور کئی صحابہ و تابعین شہید ہوئے، تاہم اہل السنہ والجماعہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ اجتہادی غلطی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور مخالفین خطا پر تھے؛ لیکن کسی کو ان پر سب وشتم کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اجتہادی غلطی تھی اور اور اجتہادی غلطی میں مخطی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں اس کی صراحت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ماہ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں کوفہ میں شہید کیے گئے، اس جرم عظیم کا ارتکاب رذیل وخبیث، خسیس وکمینہ عبد الرحمن بن ملجم خارجی نے کیا۔

(مرآۃ الجنان ۱/۱۰۸)

(۵۱) حضرت عمار بن یاسر بن عامر بن مالک مذحجی عنسی ابو الیقظان رضی اللہ عنہ، آپ کا شمار ان خوش نصیب صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے دین اسلام کو نازک اور کٹھن حالات میں اپنے گلے سے لگایا، جب کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو ستانے، زدوکوب، تپتی دھوپ میں حتی کہ بعض صحابہ کو آگ کے شعلے پر بھی لٹایا گیا؛ لیکن ان صبر آزما حالات میں بھی وہ دین اسلام پر ثابت قدم رہے، اور کسی بھی قیمت پر دین حق پر سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بہت سے مناقب وفضائل کتب احادیث میں بیان کیے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

أَبْشِرْ يَا عَمَّارُ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ.

(ترمذی، حدیث نمبر: ۳۸۰۰)

پیارے عمار! تجھے باغی جماعت شہید کرے گی۔

چنانچہ آپ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، آپ اسی جنگ میں باغیوں کے ہاتھ شہید کیے گئے۔ (تھذیب الکمال ۲۱/۲۱۵)

(۵۲) ابو حفص عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی قرشی عدوی رضی اللہ عنہ، آپ زمانہ جاہلیت اور اور قبول اسلام کے بعد بھی کلیدی عہدوں پر فائز تھے، آپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کی شان وشوکت، عزت وافتخار اور نصرت وحمایت میں اضافہ ہوا۔

آپ کو قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں سے بہت نفرت وبغض اور دشمنی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دن یہ دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ أَعِزَّ الإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي

جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: وَكَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيْهِ عُمَرُ. (ترمذی شریف، حدیث نمبر:۳۶۸۱)

اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل ان دونوں میں جو آپ کو محبوب ہے اس کو قبول اسلام کی توفیق عطا فرما، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوئی۔

صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وفات کے بعد متفقہ طور پر عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین بنایا، آپ کے دور خلافت میں اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر عجمی ممالک میں بھی پھیلا اور لوگ اسلامی تعلیمات کی خصوصیات و امتیازات دیکھ کر جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بہت ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ کتب احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (الاصابہ ۴ / ۵۸۸)

(۵۳) صاحب انجیل حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام، آپ اللہ کے مقرب بندے اور رسول ہیں، قرآن کریم میں آپ کے اعزاز اور مقام و مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے آپ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا۔

(۵۴) صاحب تورات کلیم اللہ موسی بن عمران علیہ السلام، قرآن کریم میں کئی مقامات پر حضرت موسی اور حضرت عیسی علیہما الصلاۃ والسلام کا تذکرہ آیا ہے۔

(۵۵) فاطمہ بنت قیس قرشی رضی اللہ عنہا، آپ کا شمار سابقین اولین صحابیات میں ہوتا ہے، بہت باکمال، عمدہ اخلاق وصفات کی حامل خاتون تھیں، جب ابوحفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دیا، تو معاویہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہما دونوں نے ان کو پیغام نکاح دیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ نے فرمایا:

أَمَّا أَبُو جَهْمٍ، فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ لَا مَالَ لَهُ، انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ. (مسلم:۱۴۸۰)

جہاں تک معاویہ کی بات ہے تو وہ مفلس اور مفلوک الحال ہیں،
اور دوسرے صاحب ابوجہم تو یہ بہت سخت اور غصہ والے انسان
ہیں، پھر آپ نے ان کو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح
کرنے کا حکم دیا، اور انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔

(۵۶) ابوبکر محمد بن فضل بخاری رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں باب التیمّم میں آیا ہے، اسد الغابہ میں ہے:

كان إماما كبيرا، وشيخا جليلا، معتمدا في الرواية، مشاهير كتب الفتاوى مشحونة بفتاواه، وهو تلميذ الأستاذ عبد الله السبذموني، تلميذ أبي حفص الصغير تلميذ أبي حفص الكبير، تلميذ الإمام محمد رحمهم الله. (اسد الغابۃ ۳/۴۰۰)

مولانا فضلی رحمۃ اللہ علیہ امام وقت اور محدث جلیل تھے، آپ روایت حدیث و درایت حدیث دونوں میں معتمد علیہ ہیں، فتاوی کی معتبر اور معروف کتابوں میں کثرت سے آپ کے فتاوے کو نقل کیا گیا ہے، آپ کا علمی سند امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، سند اس طرح ہے:

ابوبكر المعروف الفضلي عن عبد الله السبذموني عن ابي حفص الصغير عن ابيه ابي حفص الكبير عن محمد عن الامام الاعظم ابي حنيفة۔

آپ کی وفات سنہ ۳۸۱ھ میں ہوئی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے الاثمار الجنیۃ میں ان کی سوانح حیات بیان کرنے میں ایک بڑی غلطی ہوئی ہے، جس کو میں (عبد الحی لکھنوی) نے الفوائد البہیۃ میں ذکر کیا ہے۔

(۵۷) حسن بن منصور اوزجندی المعروف امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا لقب ابو المفاخر، ابو المحاسن اور فخر الدین ہے، اوزجند، صوبہ فرغانہ کے ایک شہر کا نام ہے، اسی شہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو اوزجندی کہا جاتا ہے، علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ حسن بن علی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں، آپ کی وفات سنہ ۵۹۲ھ میں ہوئی ہے۔
(الاثمار الجنیۃ ق ۲۸/ب)

قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح القدوری میں ہے:

قاضی خان أجل من يعتمد عليه. وتصحيحه مقدم على تصحيح غيره. (التصحیح والترجیح علی القدوری، ص: ۱۳۴)

علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ومرتبہ معتمد علیہ علماء سے فائق ہے، چنانچہ آپ کسی مسئلہ کے بارے میں صحت کا فیصلہ کریں اور ان کے ہم رتبہ کوئی فقیہ اس مسئلہ کے بارے میں عدم صحت کا فیصلہ کرے تو بالعموم فقہائے کرام علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول کو لیتے ہیں۔

(۵۸) فقیہ ابو حسین احمد بن محمد بن جعفر بن حمدان المعروف امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ، آپ کا ذکر شرح وقایہ میں کتاب الصوم اور باب المسح علی الخفین میں آیا ہے۔

قدوری کی تحقیق

قدور (قاف کا ضمہ) بغداد کے کسی گاؤں کا نام ہے، ایک قول یہ ہے کہ قدور، قدر (قاف کا کسرہ) کی جمع ہے، اس کے معنی لغت میں دیگچی کے آتے ہیں، آپ یا آپ کے اجداد میں کوئی دیگچی فروخت کرتے تھے؛ اس لئے آپ کو قدوری کہا جاتا ہے۔

آپ نے فن حدیث وفقہ اپنے دور کے اکابر فقہاء ومحدثین سے پڑھی ہیں، جن میں ابو عبد اللہ محمد بن یحیی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ روایت حدیث میں ثقہ اور معتمد علیہ ہیں، مشہور محدث حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور بھی

اہل حدیث علماء نے آپ سے احادیث لی ہیں۔

تصانیف

(۱) المختصر القدوری

(۲) التقریب، اس کتاب میں اختلافی مسائل کو بیان کیا گیا ہے؛ البتہ دلائل ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔

(۳) شرح مختصر الکرخی، آپ کی ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔

(۴) التجرید، یہ سات جلدوں میں ہے، جن میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان جو اختلافی مسائل ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی سن ولادت ۳۶۲ھ اور سن وفات ماہ رجب المرجب ۴۲۸ھ ہے۔
(الانساب ۴/ ۴۶۰)

(۵۹) عبیداللہ بن حسین بن دلال بن دلہم المعروف امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ، کرخ (کاف کا فتحہ) عراق کے کسی گاؤں کا نام ہے، اصحاب فضل وکمال نے آپ کے انتقال کے بعد کہا تھا کہ قاضی ابوحازم اور ابوسعید بردعی رحمۃ اللہ علیہما کے بعد ایسی عظیم اور بلند پایہ علمی شخصیت پیدا نہیں ہوئی۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں امام قدوری، ابوعبداللہ دامغانی، علی تنوخی وغیرہ نوابغ روزگار شخصیات رحمۃ اللہ علیہم ہیں، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ میں ہے:

كان كثير الصوم والصلاة، زاهدا متعففا، ألف المختصر المشهور، وشرح الجامع الكبير، وشرح الجامع الصغير، مات ليلة النصف من شعبان سنة أربعين وثلاث مأة، ومولده سنة ستين بعد مئتين. (۲/ ۴۹۳)

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے نماز اور روزے کا اہتمام کرتے

تھے، بڑے عبادت گزار اور عفیف و پاکدامن تھے، آپ نے
مختصر، جامع کبیر اور جامع صغیر دونوں کی شرح لکھی ہے جو علمی دنیا
کافی مقبول ہوئیں، آپ کی سن ولادت ۲۶۰ھ اور سن وفات ماہ
شعبان ۳۴۰ھ ہے۔

(۶۰) امام دار الہجرہ مالک بن انس بن ابو عامر اصبحی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۷۹ھ) آپ کا شمار ان چار مشہور ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے جن کے مذاہب کو دنیا میں قبول عام حاصل ہوا ہے، میں (عبد الحی لکھنوی) نے آپ کی سوانح حیات کو تفصیل کے ساتھ مقدمۃ التعلیق المجد علی موطا محمد میں بیان کیا ہے۔ (۱/ ۷۰)

(۶۱) امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ نسلا شامی ہیں، آپ کے والد ماجد مع اہل وعیال عراق منتقل ہو گئے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی سفر میں پیدا ہوئے ہیں اور کوفہ میں پرورش ہوئی ہے، آپ نے علم حدیث امام مالک، مسعر، اوزاعی اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم سے حاصل کیا ہے اور علم فقہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔

میں (عبد الحی لکھنوی) نے آپ کی سوانح حیات کو تفصیل سے مقدمۃ الہدایۃ، (۳/ ۱۴) مقدمۃ السعایۃ، (ص: ۳۷) مقدمۃ التعلیق المجد، (۱/ ۱۱۴) النافع الکبیر، (ص: ۳۴) اور الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ (ص: ۱۶۳) میں بیان کیا ہے۔

(۶۲) کاتب وحی معاویہ بن ابو سفیان اموی رضی اللہ عنہما، آپ فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے ہیں، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے آپ کو ملک شام کا حاکم بنایا، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مصالحت کے بعد بیس سال تک آپ امیر المؤمنین رہے ہیں اور آپ کے دور حکومت میں خوشگوار انقلابات اور اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں، کئی ممالک بھی اسلام کے زیر نگیں آئے ہیں۔ (اصابہ ۳/ ۱۰۲)

(۶۳) ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد بن فراء شافعی بغوی المعروف محیی السنہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) شرح السنۃ (۲) المصابیح، یہ دونوں کتابیں فن حدیث میں ہیں۔
(۳) معالم التنزیل (۴) التہذیب، یہ کتاب فن فقہ میں ہے۔
تذکرۃ الحفاظ میں ہے:

كان مجتهدا زاهدا، قانعا يأكل الخبز وحده، مفسرا محدثا، أخذ الفقه عن القاضي حسين الشافعي وغيره، وروى عنه خلق، وكان أبوه يعمل الفرو ويبيعها، ولذلك يقال له: ابن الفراء، والبغوي نسبة إلى بلدة بين مرو وهراة، يقال لها، بغشور وبغ، وكانت وفاته على ما ذكره الذهبي سنة ست عشر بعد خمس مأة، وقيل: سنة عشر. (۴/۱۲۵۷)

امام محیی السنہ رحمۃ اللہ علیہ مجتہد، مفسر اور محدث تھے، فن فقہ پر کافی عبور حاصل تھا، بڑے عبادت گزار اور کفایت شعار تھے، یومیہ صرف ایک روٹی کھاتے تھے، آپ کے چشمہ فیض سے بے شمار تشنگان علوم نبوت نے اپنی علمی پیاس بجھائی ہے، آپ کے والد ماجد پوستین ساز اور فروش تھے، اسی وجہ سے آپ کو ابن الفراء بھی کہا جاتا ہے، مرو اور ہرات کے درمیان ایک شہر ہے جسے بغشور یا بغ کہا جاتا ہے، علامہ محیی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی نشوونما اسی شہر میں ہوئی ہے؛ اسی لیے آپ کو بغوی کہا جاتا ہے، آپ کی وفات امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق سنہ ۵۱۶ھ میں ہوئی ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ کی وفات سنہ ۵۱۰ھ میں ہوئی ہے۔

(۶۴) ہشام بن عبید اللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ، آپ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے تلامذہ میں سے ہیں، آپ کی تصانیف میں نوادر اور دیگر کتابیں ہیں، محدثین نے آپ کو

روایت حدیث میں ثقہ اور معتمد علیہ قرار دیا ہے۔ (اعلام الاخیار ق ۸۷ / ب)

تنبیہ

شارح وقایہ کتاب القسامہ میں لکھتے ہیں:

إنه جمع بين الدية والقسامة في حديث رواه سهل وحديث رواه بن زياد بن مريم.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت اور قسامہ دونوں کا ایک حدیث میں ذکر فرمایا ہے، اس حدیث کو سہل اور ابن زیاد بن مریم رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کیا ہے۔

شرح وقایہ کے بعض نسخوں میں ہے:

أنه جمع بين الدية والقسامة في حديث رواه سهل وحديث رواه بن زياد من أب مريم.

دیت اور قسامہ والی حدیث سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ابن زیاد نے ابن ابومریم سے روایت کیا ہے۔

ہدایہ میں بھی اس بات کو ذکر کیا گیا ہے، اور شارح وقایہ نے اسی بات کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، ہدایہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ولنا أن النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الدية والقسامة في حديث سهل، وفي حديث زياد بن أبي مريم.

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت اور قسامہ دونوں کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ سہل کی حدیث میں ہے اور زیاد بن ابومریم کی حدیث میں ہے۔

ہدایہ کے بعض نسخوں میں ابن سہل کے بجائے سہل ہے، مجھے اب تک معلوم نہیں

ہوا کہ زیاد اور ابن زیاد سے مراد کون ہے؟ اللہ اس راوی کی سوانح حیات تلاش کرنے میں میری مدد فرمائے۔

(۶۵) علامہ فصیح الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ، مجھے (عبدالحی لکھنوی) ان کی سوانح حیات تلاش بسیار کے بعد نہیں ملی، انہوں نے شرح وقایہ کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے، اور جگہ جگہ شارح وقایہ کے تسامحات کو بیان کیا ہے، میں (عبدالحی لکھنوی) نے بالاستیعاب ان دونوں جلدوں کا مطالعہ کیا ہے، یہ جامع شرح ہے، کتاب کے مشکل مقامات کو اچھی طرح حل کیا گیا ہے، ان کی تصنیفات کیا کیا ہیں؟ اس کا ذکر بھی کتابوں میں نہیں ملتا ہے؛ البتہ آپ نے شرح وقایہ کی شرح میں اپنی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) حواشی شرح تلخیص المعانی والبیان (۲) شرح شمسیۃ الحساب

فائدہ

شارح وقایہ نے کتاب الزکاۃ میں ایک جگہ اپنے ہم عصر شیخ نظام الدین عبدالرحیم خوافی رحمۃ اللہ علیہ (یہ علامہ فصیح الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ کے نانا ہیں، بڑے متقی، پرہیز گار تھے، بدعات وخرافات کی بیخ کنی اور سنت پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کا اتنا جذبہ تھا کہ لوگ ان کو محیی السنہ کہنے لگے، آپ ہرات میں اقامت پذیر تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیتے، اس میں کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہیں کرتے اور اس وقت کا بادشاہ ان کی بہت تعظیم وتوقیر کرتا اور ان کا فتوی حرف آخر ہوتا۔) شارح وقایہ نے اپنی کتاب میں ایک جگہ ان پر زبردست نقد کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> فانظر إلى هذا الذى أدرج فى الإيمان ركنا آخر أنه كيف يتمسك بهذه الرواية. فسوغ لولاة هراة أخذ العشور والزكاة بالصفة المعلومة. بل فرض عليهم ذلك، وحكم بكفر من أنكره. (شرح الوقایۃ ۱/ ۲۲۷)

اس شخص (شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھو جس نے ایمان کی

تعریف میں ایک رکن کا اضافہ کیا، کس طرح اس روایت
سے استدلال کرتے ہوئے ہرات کے حکام کے لئے عشر وزکوۃ کا
لینا جائز قرار دیا اور اس کے انکار کرنے والے کے کفر کا فیصلہ کیا۔

مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالجنان کا نام ہے، یعنی دل سے اللہ کی الوہیت اور رسول کی رسالت کی تصدیق سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے؛ لیکن شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف میں ایک زائد رکن یعنی تسلیم (عمل بالارکان) کا اضافہ کیا اور کہا کہ ایمان تصدیق بالجنان اور تسلیم کا نام ہے، شارح وقایہ نے ان کی اس بات پر نقد کیا کہ حقیقت ایمان میں اس رکن کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے والیان ہرات کے لئے عشر اور زکوۃ کا وصول کرنا نہ صرف جائز کہا؛ بلکہ وصول یابی کو فرض قرار دیا، مزید برآں اس کے جواز کے منکر کو کافر کہا، نیز عشر کا دوگنا سہ گنا لینے پر ابھارا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرات کے حکام نے مقدار واجب کی جگہ قیمت لازم کر دیا اور طاقت کے بل بوتے ظالمانہ وصول کرتے، پھر متکبر مالدارں کی عادت سیئہ کے مطابق جہاں چاہتے خرچ کرتے۔ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شارح وقایہ کے بقول ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:

وَإِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ الْخَرَاجَ وَصَدَقَةَ السَّوَائِمِ لَا يُثَنّٰى
عَلَيْهِمْ لِأَنَّ الْإِمَامَ لَمْ يَحْمِهِمْ وَالْجِبَايَةُ بِالْحِمَايَةِ،
وَأَفْتَوْا بِأَنْ يُعِيدُوهَا دُونَ الْخَرَاجِ لِأَنَّهُمْ مَصَارِفُ
الْخَرَاجِ لِكَوْنِهِمْ مُقَاتِلَةً، وَالزَّكَاةُ مَصْرِفُهَا الْفُقَرَاءُ
وَهُمْ لَا يَصْرِفُونَهَا إِلَيْهِمْ. وَقِيلَ إِذَا نَوَى بِالدَّفْعِ
التَّصَدُّقَ عَلَيْهِمْ سَقَطَ عَنْهُ، وَكَذَا الدَّفْعُ إِلَى كُلِّ
جَائِرٍ لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ.

(فتح القدیر ۲/ ۱۹۸)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر خوارج (باغی) خراج (ٹیکس) وصول کر لیں تو (جنہوں نے خراج اور سائمہ جانوروں کی زکوۃ ادا کر دیا ہے) ان سے دوبارہ خراج اور زکوۃ نہیں لی جائے گی؛ اس لیے کہ امام نے ان کے جان و مال کی حفاظت نہیں کی ہے، اور زکوۃ و خراج کی وصول یابی کا مدار اسی (جان و مال کی حفاظت) پر موقوف ہے، بعض علماء نے فتوی دیا ہے اگر خوارج زکوۃ کو فقراء میں تقسیم نہ کریں؛ بلکہ اپنی ضروریات میں خرچ کریں تو اس صورت میں جنہوں نے اپنی زکوۃ خوارج کو دیا ہے ان کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا؛ اس لیے کہ زکوۃ کے مستحق فقراء ہیں؛ البتہ جن ذمیوں نے اپنا ٹیکس خوارج کو دیا ان سے دوبارہ خراج (ٹیکس) وصول نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ خراج کی وصول یابی اس لیے ہوتی ہے تاکہ فوج کا خرچہ دیا جائے اور باغی بھی خراج کے حقدار ہیں؛ کیوں کہ جب یہ امام عادل سے لڑتے ہیں تو وہ کافروں سے بدرجہ اولی لڑیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ دوبارہ مالداروں سے زکوۃ وصول نہیں کی جائے گی؛ اس لیے کہ باغی (ظالم) لوگ بظاہر تو صاحب ثروت نظر آتے ہیں؛ لیکن انہوں نے جو لوگوں کا مال خلاف شرع لے کر اپنی خواہشات میں خرچ کیا ہے اس کا تاوان ان کے ذمہ اس قدر ہے کہ جو کچھ دولت ان کے قبضہ میں ہے اول تو ان کی ذاتی نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو ان حقوق کی ادائیگی میں جو ان کی گردنوں پر ہیں عشر عشیر بھی کفایت نہیں کرے گی، پس یہ لوگ فقیر محض اور نرے کنگال ہیں۔

شارح وقایہ فرماتے ہیں کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے دعوی کی دلیل کے طور پر ہدایہ کی اس عبارت کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ جن فقہائے کرام نے مظلومین سے سقوط زکاۃ کا فتوی دیا ہے وہ محض مظلوم کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کی بنیاد پر ہے، ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ظالموں اور باغیوں کے کے لیے زکوۃ وصول کر کے اپنی خواہشات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

شارح وقایہ نے شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ پر جو دو اعتراض کئے ہیں ان کے نواسے علامہ فصیح الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ جو وقایہ کے شارحین میں بھی ہیں، انہوں نے ان دو

اعتراضوں کا تحقیقی جواب دیا ہے:

(۱) شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان کی حقیقت میں ایک زائد رکن تسلیم کا اضافہ کرنا صحیح ہے؛ اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء، ۶۵)

نہیں، (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو فیصل نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کریں۔

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو بلا کسی تامل کے قبول اور نہ ماننے پر ایمان کی نفی کردی گئی ہے، علامہ فصیح الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نانا جان کی تائید اور حمایت میں اس کے علاوہ بھی دلائل شرح وقایہ کی شرح میں بیان کیا ہے۔

شارح وقایہ نے شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرا نقد یہ کیا کہ ہدایہ کی عبارت کو والی ہرات کے لیے زکاۃ وغیرہ کی وصول یابی کے جواز پر دلیل بنانا صحیح نہیں ہے، اس کا جواب فصیح الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ ہمارے نانا جان نے دیگر فقہائے کرام کے نصوص سے بھی استدلال کیا ہے، اور شارح وقایہ کا یہ کہنا کہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے والیان ہرات کو عشر کا دوگنا سہ گنا لینے پر ابھارا تھا، یہ ان پر بہتان عظیم ہے، مزید برآں والی ہرات متکبرین اور مسرفین میں سے نہیں تھا بلکہ وہ نمازی، مجاہد فی سبیل اللہ، غیاث الاسلام والمسلمین تھا جس کے خلوص، نیکی اور طہارت و پاکیزگی کے قصے تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ وفات

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ ہرات کے باشندے تھے، کسی دن ترکیوں کی ایک بڑی تعداد شہر ہرات کے قریبی علاقوں جمع ہوگئی، یہ بڑے فسادی لوگ تھے، نہتے مسلمانوں پر ظلم وستم کیا، ان کے اموال کو لوٹا، لوگوں کو گمراہ کرنے اور ان کے ایمان وعقیدہ پر ڈاکہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، ایسے ناگفتہ بہ حالت میں شہر ہرات کے مفتی اعظم شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان ظالموں کے مرتد اور واجب القتل ہونے کا فتوی دے دیا، جب ان فسادیوں کو معلوم ہوا تو وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ہرات پہنچے اور ہرات کا بادشاہ گو کہ مفتی اعظم کا ہمنوا اور ان کی تعظیم وتوقیر کرتا تھا؛ لیکن اس کو ان فسادیوں سے جہاد اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی، چناں چہ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیا جائے، ان فسادیوں نے اپنے ایک سفیر کے واسطہ سے بادشاہ کو یہ بات کہی کہ ہم جنگ وجدال کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں، بس آپ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ہمارے حوالہ کردیں، وہ کون ہوتے ہیں کہ ہم پر کفر کا فتوی لگائیں، ہم اس شخص کے خون کے پیاسے ہیں، بصورت دیگر ہم اس شہر میں فساد برپا کریں گے۔

بادشاہ نے ان کو سمجھانے کی حتی المقدور کوشش کی اور کئی مرتبہ سفیر کو بھیجا گیا، جب بات نہیں بنی اور وہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرنے ہی پر مصر تھے تو دفع ضرر عام کے پیش نظر بادشاہ نے ان کے مطالبہ کو قبول کرلیا، شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے غسل کیا اور عمدہ لباس زیب تن کیا، اور از خود اپنے کو ان فسادیوں کے حوالہ کیا، اور ان بدبختوں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کردیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ۔**

روضات الجنات فی فضائل ہراۃ میں اس واقعہ کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے؛ البتہ اس میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کا بھی ذکر ہے کہ آپ کی وفات ماہ ذی قعدہ سنہ ۷۳۶ھ میں ہوئی ہے۔